حیدرآباد کی نسوانی دنیا

مُصنّفہ

نصیر الدین ہاشمی

سنہ ۱۳۶۳ھ
۱۹۴۴ء

ادارۂ ادبِ جدید حیدرآباد

قیمت

عالی ۲
عام ۱ر

اِنتساب

میں اپنی اس ناچیز تصنیف کو بصد فخر و مباہات علیا حضرت ہر ہائینس شہزادی درشہوار دردانہ بیگم صاحبہ بالقابہا کے اسم گرامی سے معنون کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں جسکی اجازت بکمال سرپرستی علم مجھے عطا فرمائی گئی ہے ۔

کلاہِ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید

ہاشمی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

میری اس کتاب میں پانچ مطبوعہ اور ایک غیر مطبوعہ مضمون شریک ہے
پانچ مطبوعہ مضامین یہ ہیں :-

۱- حیدرآباد کی عورتیں ۲- خواتین دکن کی ادبی خدمات
۳- جدید ادب نسواں ۴- طبقہ نسواں کے ذرائع معیشت
۵- ہمارے خاندان کی عورتیں۔

غیر مطبوعہ مضمون "حیدرآباد کے تینتیس ستارے" کے عنوان سے لکھا گیا ہے اس میں تینتیس خواتین دکن کے مختصر حالات درج کیئے گئے ہیں۔ میرا عقیدہ ہے کہ جب تک کسی ملک کی عورتیں ترقی نہ کریں اس وقت تک اس ملک و قوم کی ترقی نہیں ہوسکتی۔ ہماری ترقی نئی پود کی بہتری میں مضمر ہے۔ اسکے لئے بچے کی گھٹی میں عمدہ اخلاق اور بہترین تربیت کی آمیزش ہونی چاہیئے" تاکہ آگے چل کر وہ میدان عمل میں کامیاب اور سرخ رو ہوسکے۔ عورتیں ہی مائیں بنتی ہیں۔ اس لئے ان کی ترقی مقدم ہے۔ موجودہ خواتین کے کارنامے ہماری نئی نسل کے لئے چراغ ہدایت اور شمع عمل بنتے ہیں۔ اس لئے مشاہیر خواتین کے مختصر حالات قلمبند

کئے گئے ہیں جو کسی نہ کسی وجہ سے خاص شخصیت کی مالک ہیں۔ نیز اس کتاب کے ذریعہ اردو زبان میں پہلی مرتبہ ہز ہائنس شہزادی درشہوار دردانہ بیگم صاحبہ۔ شہزادی نیلوفر فرحت بیگم صاحبہ اور صاحبزادی نفیس النساء بیگم صاحبہ کے حالات شائع ہو رہے ہیں جو کتاب کے لئے موجب زینت ہیں۔

ناشکر گذاری ہوگی اگر میں مسز نیلا سنی نائیڈو بی۔اے آنرز (آکسن) کا نام نہ لوں جن کی مہربانی اور توجہ فرمائی سے ہر ہائی نس شہزادی برار کے حالات لکھنے میں مدد ملی اور جنھوں نے علیا حضرت شہزادی صاحبہ کے اسم گرامی پہ اس کتاب کو معنون کرنے کی اجازت کے حصول میں مدد دے کر مجھے مزید ممنونیت کا موقع دیا۔ انکی وجہ سے میرا اور میری کتاب کا مرتبہ بلند اور ارفع ہو گیا ہے۔

جناب نواب شہید یار جنگ بہادر کا شکریہ بھی ضروری ہے کیونکہ آپ نے از راہ علم دوستی شہزادی نیلوفر فرحت بیگم صاحبہ کے حالات غور و خوص سے ملاحظہ کرنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ نیز مسز نواب قادر یار جنگ کا سپاس گذار ہوں جنکی توجہ فرمائی سے صاحبزادی نفیس النساء بیگم صاحبہ کے حالات ہمدست ہوئے۔

ان کے علاوہ محترمہ صغرا بیگم ہمایوں مرزا کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے پیش لفظ لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ نیز محترمہ بشیر النساء بیگم کا نام لینا لازمی ہے جن کا جامع "مقدمہ" میری کتاب کے لئے خاص اہمیت رکھتا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ پیش لفظ اور مقدمہ آج سے دو سال پہلے صرف اول الذکر پانچ مضامین کے متعلق لکھا گیا تھا۔

اس موقع پر مجھے ادارہ ادب جدید کا تذکرہ اور شکریہ ضروری ہے جو

حیدرآباد کا ایک جدید اور قابل قدر ادارہ ہے جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں کئی بہترین کتابیں شائع کرکے ناموری حاصل کرلی ہے۔

امید ہے کہ میری یہ کتاب خواتین کے لئے ضیافت طبع اور ترقی کی امنگ پیدا کرنے کا موجب ہوگی۔

فقط

نصیرالدین ہاشمی

(حیدرآباد دکن)

جمادی الاول ۱۳۶۳ ہجری
۱۹۴۴ء

پیش لفظ

(از جنابہ صغرا بیگم ہمایوں مرزا)

جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب کا نام محتاج تعارف نہیں۔ آپ کے بہت سے تصانیف ہیں چند کے نام لکھتی ہوں۔
دکن میں اردو۔ یورپ میں دکنی مخطوطات۔ حضرت امجد کی شاعری۔ مکتوبات امجد۔ مقالات ہاشمی۔ رہبر سفر یورپ
خواتین عہد عثمانی وغیرہ

اسکے سوائے اکثر رسالوں میں مضامین بھی لکھا کرتے ہیں جو مقبول ہوتے رہیں۔ سب سے بڑی خوبی مضامین میں یہ ہوتی ہے کہ عورتوں کی — ترقی اور بھلائی کے لئے آپ کا قلم روانی سے چلتا ہے۔ ہمیشہ آپ کو فکر ہے کہ عورتیں ترقی کریں۔ ان کا خیال ہے کہ جب تک عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہونگی مرد ترقی نہیں کر سکتے۔ آپ کا یہ خیال بہت ٹھیک ہے لیکن اکثر مرد اپنے ہی فرقہ کی ترقی کی فکر میں لگے رہتے ہیں ان کو عورتوں کی ترقی کا خیال ہی نہیں ہوتا۔ ہاشمی صاحب کی یہ کتاب جس کا نام

انھوں نے "حیدرآباد کی نسوانی دنیا" لکھا ہے ۔ اس میں کچھ مضامین بھی عورتوں کے بارے میں لکھے گئے ہیں ۔ اور وہ جو لکھتے ہیں اس میں عورتوں کی تعریف ہی نہیں ہوتی بلکہ جو سچا واقعہ ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں ۔ چنانچہ ایک مضمون اپنے خاندان کی عورتوں کے حالات پر لکھا ہے ۔ اس میں عورتوں کی تعریف بھی ہے اور ان کی کمزوریوں کا ذکر بھی ہے ۔ مجھے ان کا وہ مضمون بہت پسند آیا ہے ہاشمی صاحب کی علمی خدمت اور عورتوں کی ترقی پہ مضامین لکھنے پر مبارکباد دیتی ہوں اور خدا سے دعا ہے کہ آپ کی کتاب "حیدرآباد کی نسوانی دنیا" مقبول ہو اور ہاشمی صاحب کو خدا ہمیشہ یہی توفیق دے کہ وہ عورتوں کی ترقی اور طرفداری پر مضامین لکھتے رہیں ۔ فقط

صغرا ہمایوں مرزا

صغرا منزل ہمایوں نگر ۔ حیدرآباد دکن

۲۳ فروری ۱۹۴۲ء

مقدمہ

(از بشیر النساء بیگم صاحبہ المتخلص بہ بشیر)

ادبی حلقوں میں کون ہے جو نصیر الدین صاحب ہاشمی سے اور ان کی ادبی خدمات سے واقف نہیں۔ مجھے اس وقت مصنف کا تعارف مقصود نہیں۔ بلکہ ان کی اس نئی کتاب سے روشناس کرانا ہے جو موصوف کی سولھویں[1] تصنیف ہے۔ یہ خواتین سے متعلق ان مفید مضامین کا مجموعہ ہے جو رسالہ عصمت۔ شہاب اور سب رس میں مختلف اوقات میں شائع ہوئے تھے عنوانات یہ ہیں :-

حیدرآباد کی عورتیں۔ خواتین دکن کی ادبی خدمات۔ جدید ادب نسواں۔ طبقہ نسواں کے ذرائع معیشت۔ ہمارے خاندان کی عورتیں۔

جس طرح ہر ملک اور ہر قوم کی زبان۔ رنگ روپ۔ خصائل اور میلانات جدا ہوتے ہیں اسی طرح ان کی طرز معاشرت اور رہنے سہنے کے طریقے بھی مختلف ہوتے ہیں

---

[1] یہ مقدمہ آج سے تقریباً دو سال پہلے لکھا گیا تھا اس کے بعد میری اور تین کتابیں شائع ہوئی ہیں۔

لیکن صنفی و نفسیاتی نیرنگیوں کے باوجود بے شمار طور طریقے ایسے بھی ہیں جو مزاج انسانی کا جزو لاینفک بن گئے ہیں۔ وہ چیز بھی جسے نسائیت کہتے ہیں یا انھیں طور طریقوں کا ایک معجونِ مرکّب ہے۔ عورت خواہ کرۂ ارض کے کسی حصے پر ہو، اپنے انھیں طور طریقوں یا خصوصیات کی بدولت عورت رہتی ہے اور سدا عورت ہی نظر آتی ہے ع ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیئے۔

کثرت میں وحدت کا یہ رنگ غالبًا تصنیف کا بنیادی موضوع ہے! لہٰذا اس کتاب کے نام "حیدرآباد کی عورتیں" سے ہمیں یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہاں کی عورتیں کچھ اپنی صنف سے مختلف ہیں۔ یا ان میں کوئی ایسی خصوصیت پائی جاتی ہے جو اور کہیں نظر نہیں آتی۔

میرا تو یہ خیال ہے کہ حیدرآباد کے بدلے ہندوستان کے کسی اور شہر کا نام لکھ دیا جائے تو سارے مضمون میں چند ہی مقامات ایسے ہونگے جہاں تھوڑی بہت ترمیم کی ضرورت پڑے گی، اس "تھوڑی بہت ترمیم" کے بعد جو کچھ بچ رہے۔ بس وہی خواتین دکن کی خصوصیات ہیں، ورنہ یہاں کی عورتیں بھی اسی طرح منقسم ہو سکتی ہیں جس طرح دوسرے ممالک، یا کم از کم ہندوستان کے دوسرے اقطاع کی عورتیں!

الغرض، کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ حالات اور بود و باش کے طریقوں میں آئے دن تغیرات کا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ حیدرآباد اور حیدرآبادی طرزِ معاشرت وہ نہیں جو آج سے پچیس تیس سال پہلے تھی۔ زمانے کے ساتھ ساتھ حالات بھی بدلتے اور نت نئے روپ اختیار کرتے ہیں۔

ہاشمی صاحب نے بڑی محنت اور کاوش سے دکن کے گرمہت طبقے کو علیحدہ علیحدہ پیشے، فنون وغیرہ میں تقسیم کرکے رہنے سہنے کے طور وطریق پر بھی کافی روشنی ڈالی ہے دوسرے مضامین میں بھی حیدرآباد کی طرز معاشرت کے کسی نہ کسی پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے یقین ہے کہ اس مجموعے کی اشاعت آئندہ مورخین کے لئے دکن کی معاشرت اور عام حالات سے باخبر کرنے کیلئے نہایت سودمند ثابت ہوگی۔

تجربہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تاریخ کی بعض چھوٹی چھوٹی باتوں سے بہت بڑے اور بعض دفعہ نہایت اہم واقعات کا پتہ بہ آسانی چل جاتا ہے۔ اس لئے ایسے مضامین اور تذکروں کا اگر فی الوقت خاطر خواہ استقبال و احترام نہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں، یہ محنت زندہ رہے گی، اور مستقبل ان کی ضرور قدر کرے گا۔

عہد حاضر اگرچہ "ترقی یافتہ دور" کہلاتا ہے مگر افسوس ہے کہ ہندوستان کی بہتری خواتین آج بھی عملی تعلیم اور فرض شناسی سے دور نظر آتی ہیں!

یہ ساری دنیا جانتی ہے اور محسوس بھی کرتی ہے کہ نظام ہستی میں عورت کا وجود ایک خاص وزن رکھتا ہے عورت ہی وہ چیز ہے جو ایک گھر ایک خاندان بلکہ ساری قوم کی فلاح، ترقی و تنزل، نیک نامی یا بدنامی۔ اور آسودگی تباہی کا باعث بن سکتی ہے، یہ مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہوں کہ عورت قوم کی معمار ہے! کیونکہ یہی وہ بے غرض خدمت گزار ہے جو اپنے خون اور نازک وناتوان ہاتھوں سے قوم کے لئے نیک دل، قوی، اور بہادر افراد تیار کرتی ہے! نیک اور قابل ماں

موجب خیر و برکت اور ایک لازوال دولت ہے، لازوال اس طرح کہ اس کے بعد بھی اس کے لگائے ہوئے پودے بارور ہو کر دنیا میں مسلسل پھولتے پھلتے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حکما انسان کے لئے تعلیم کو تربیت سے زیادہ ضروری سمجھتے ہیں جسے تربیت کہتے ہیں ایک عورت ہی کو سزاوار ہے۔

میرے خیال سے اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن میرے نزدیک لڑکوں سے زیادہ لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کی جانب توجہ کرنے کی ضرورت ہے

نصیر الدین صاحب ہاشمی اردو زبان کے بہی خواہ اور خاص طور پر طبقہ نسواں کے محسن ہیں، انھوں نے اردو ادب میں خاصہ اضافہ کیا ہے اور ادب برائے نسواںؔ کے موضوع پر بھی بڑی محنت کے ساتھ مفید و کارآمد تذکرے مضامین اور کتابیں لکھے ہیں اور اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود کچھ نہ کچھ لکھتے ہی رہتے ہیں۔ ان کی بے لاگ خدمت گذاری آنے والی نئی پود کے لئے یقیناً مفید اور معلومات کا باعث ہوگی، ادب اور زبان کا اتنا قریبی رشتہ ہے کہ ہم ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہیں کر سکتے۔ اس دور کشاکش میں جبکہ خود ہماری زبان ایک صغطے میں ہے، ذراسی اعانت کو بھی اہم سمجھنا چاہیے بلکہ وہ جو اردو زبان کی ترقی میں مخل نہ ہو! میرے نزدیک ملک کا بہی خواہ اور اردو کا دوست ہے!!

ادب قوم کا ایک سرمایہ ہے جس پر قوم کا ہر فرد خدمت گذاری کا حق رکھتا ہے۔ اب یہ اور بات ہے کہ کسی کی سعی مشکور ہوتی ہے اور کسی کی نہیں ہوتی لیکن سچا ادیب وہ جو اندیشۂ سود و زیاں اور ستائش اور واہ واہ سے بالاتر ہے۔

یہ پرخلوص جذبۂ خدمت گذاری نصیر الدین صاحب ہاشمی میں موجود ہے، دیکھا یہ ہے کہ ان سے اور کیا چاہیئے؟

حیدرآباد کے تینتیس ستارے

موجودہ مشاہیر خواتین حیدرآباد کے حالات اور ان کے نمایاں کارنامے ہماری نئی پود کے لئے رہنمائی اور رہبری کا کام دے سکتے ہیں اگرچہ آج سے بہت پہلے حضرت بل نے "تذکرہ جمیل" کے نام سے ایک تذکرہ خواتین شائع فرما دیا ہے۔ لیکن یہ صرف دکن سے مختص نہیں ہے، اس لئے اس امر کی ضرورت تھی کہ صرف حیدرآباد کی مشاہیر خواتین کے حالات مختصر طور پر پیش کئے جائیں۔ تاکہ ان کے کارنامے نئی پود اور آنے والی نسل کے لئے محفوظ ہو جائیں اسی غرض سے تینتیس خواتین کا تذکرہ صفحات آئندہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ خواتین کسی نہ کسی حیثیت سے نمایاں اور ممتاز حیثیت رکھتی ہیں، کوئی تو اپنی اعلیٰ اور ارفع شخصیت کے لحاظ سے کوئی علمی خدمت کے تحت کوئی سوشل اور سماجی کارگردگی کی ...

ہے۔ اور کوئی اپنی سرکاری اعلیٰ خدمت کے باعث، غرض کہ مختلف حیثیتوں سے جن خواتین کو پیش کیا جا سکتا تھا ان کے حالات ضبطِ تحریر میں آ سکتے، ممکن تھا کہ چار اور خواتین کو شامل کر لیا جاتا، مگر چونکہ ایک خاص تعداد مقصود تھی اس لئے ایک سو کے تہائی حصہ کو پسند کیا گیا۔

امید ہے کہ ان کے حالات اور کارنامے ملک کی نئی پود کو میدانِ عمل میں گامزنی کے لئے ترغیب اور تحریص کا باعث ہوں گے: یہی تمنا اور یہی اس مختصر کتاب کا مدعا ہے۔

(۱)

ہز ہائینس شہزادی نیلوفر فرحت بیگم صاحبہ پرنسس آف برار

ہز ہائی نس شہزادی در شہوار دُر دانہ بیگم صاحبہ ہز امپیریل مجسٹی سلطان عبد المجید خان ثانی کی دختر نیک اختر ہیں۔ قسطنطنیہ میں تولد ہوئیں۔ حسب رواج خاندانی آپ کی تعلیم و تربیت قصرِ سلطانی میں خاص انتظام اور اہتمام کے ساتھ ہوئی۔ مشرقی اور مغربی کئی زبانوں مثلاً ترکی، عربی، فارسی، انگریزی، فرنچ وغیرہ میں مہارت رکھتی ہیں۔

۱۲ نومبر ۱۹۳۱ء کو آپ کا عقد نکاح حضرت شہزادہ والاشان نواب اعظم جاہ بہادر سے ہوا اور آپ شہزادہ والاشان بہادر کے ہمراہ حیدرآباد تشریف لائیں۔ شادی کے موقع پر یورپ کے کئی اخبارات نے شہزادی صاحبہ کی اعلےٰ قابلیت، مختلف علوم کی مہارت اور اسپورٹس کی دلچسپی وغیرہ کے متعلق نہایت ہی عمدہ الفاظ میں تذکرہ کیا تھا۔ حیدرآباد آنے کے بعد شہزادی صاحبہ نے اردو زبان میں بھی نہایت عمدہ مہارت حاصل کرلی ہے۔

علیا حضرت شہزادی صاحبہ کو ملک کی ہر جہتی ترقی سے عموماً اور عورتوں کی

ترقی اور غریب طبقہ کی بھلائی اور بہبودی سے خاص دلچسپی اور شغف ہے۔ آپ کی قومی اور ملکی خدمات اور دلچسپیوں کی صراحت طویل صفحات کی متقاضی ہے۔ اس کتاب کے مختصر اوراق میں ان کی پوری وضاحت ناممکن ہے، علیاحضرت کو اپنے اس جدید وطن سے بڑی محبت ہے کئی مرتبہ آپ نے اس کا اظہار فرمایا ہے چنانچہ اجلاس دہم کانفرنس انجمن خواتین ریاست حیدرآباد کے اجلاس منعقدہ ۱۹۳۶ء کی صدارتی خطبہ میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔

"مجھے بہت مسرت ہے کہ میں آج آپ کے اس اجتماع میں موجود اور شامل ہوں۔ چونکہ اب حیدرآباد میرا وطن ہے۔ اس لئے میں آپ کی تمام امیدوں اور دلچسپیوں اور آپ کی تمام خواہشات اور توقعات اور آپ کے بچوں کے مفاد میں اپنی ذات کو آپ کے ساتھ وابستہ رکھتی ہوں جس دن سے کہ میں یہاں آئی ہوں اس وقت کا انتظار کرتی رہی ہوں کہ کب آپ مجھے اپنا سمجھیں گے اور یقین کرینگے کہ میں آپ کی بہبودی کیلئے ہر طریقہ سے اشتراک عمل کرنے کو تیار ہوں۔"

رعایائے آصفی کے لئے یہ امر باعث بہجت اور شادمانی ہے کہ علیاحضرت نے جن خیالات کا اظہار فرمایا اس پر نہایت شدت کے ساتھ عمل فرماتی ہیں۔ آپ کو حیدرآباد اور اہل حیدرآباد سے جس طرح محبت ہے اور رعایا ملک کی بھلائی اور ان کی بہبودی کے کاموں سے جس طرح دلی شغف ہے اس کا اظہار ہر وقت ہوتا جارہا ہے۔

غربا پروری

علیاحضرت کو ہر وقت ملک کی غریب رعایا کی فلاح و بہبودی کا خیال بھی دامنگیر رہا کرتا ہے اور آپ اس قسم کے کاموں میں شخصی دلچسپی لیتی ہیں اور ان کی ہر جہتی اصلاح اور ترقی کی خاطر مختلف امدادی اداروں کی تنظیم و انتظام کے لئے ہمیشہ جوش دلی کے ساتھ آمادہ رہتی ہیں۔

جب حکومت کی جانب سے اسکیم ترقیات دیہی نافذ کیا جا رہا تھا تو علیاحضرت نے اس کی تائید کے لئے ایک خاص مجلس ترتیب دی تاکہ چندہ جمع کیا جائے۔ اس چندہ سے یہ غرض تھی کہ نمونہ کے ایک تربیتی مرکز کا افتتاح کیا جائے جس میں دائیوں کو دیہی رقبوں میں کام کرنے کے قابل بنایا جائے شہزادی صاحبہ کے انہماک اور التفات کے باعث تین ہفتے کے اندر کافی چندہ جمع ہوگیا جو رقم جمع ہوئی وہ توقع اور ابتدائی اندازہ سے بہت زیادہ تھی۔ حکومت سرکار عالی نے اس رقم کو دوچند کر دیا اس طرح ایک مرکز کے بجائے چار تربیتی مرکزوں کا قیام ممکن ہوگیا۔ چنانچہ اضلاع میں دو مرکزوں کا کام آغاز ہو چکا ہے اور باقی دو مرکز بھی عنقریب کھولے جانے والے ہیں۔ ان چاروں مرکزوں کا نام تربیت گاہ دایہ گری بہ سرپرستی شہزادی برار ہے۔

ہر ہائی نس کی رعایا نوازی اور خدمت ملک کا ایک دوسرا عظیم الشان کارنامہ جس کو نہ صرف اعلیٰ حضرت بندگان عالی کی ذاتی توجہ اور تائید میسر ہوئی بلکہ جا بجا امتنان، تشکر اور شہرت کا بھی باعث ہوا یہ ہے کہ علیاحضرت کی جانب امدادی سرمایہ اغذیہ کے فراہم کرنے کی کوشش شروع فرمائی اور ایک جماعت رضاکاران کا قیام عمل میں آیا۔ اس بروقت دستگیری کی وجہ سے شہر کے ایک لاکھ

بیس ہزار غریب ترین باشندوں کو فاقہ کشی اور موت کے پنجوں سے چھڑایا جا سکا یعنی اس زمانہ میں جبکہ غذائی صورت حال نے غریبوں کو کہیں کا نہ رکھا تھا۔ علیاحضرت کی نظر کرم اور تنظیمی اعلیٰ قابلیت سے دو لاکھ سے زیادہ خطیر رقم جمع کی گئی اور بیس ارزاں فروش غلہ کی دوکانیں کھولی گئیں۔ ریاست بھر کے مختلف مذاہب اور عقائد کی خواتین نے جوق در جوق مجلس رضاکاران میں شرکت کی اور آج اس ادارہ کی عنان تنظیم خود علیاحضرت کے دست مبارک میں ہے۔ آپ مختلف کمیٹیوں اور اعزازی کارکنوں کے مشورہ سے اور انجمن انسداد قلت گرانی اجناس حیدرآباد کے تعاون سے اس کام کی ذاتی نگرانی فرما رہی ہیں۔

تنظیم خواتین

ہر ہائینس کے رفاہی کاموں میں تنظیم خواتین بھی شامل ہے چنانچہ علیاحضرت خواتین کی بہت ساری انجمنوں کی سرپرستی فرما رہی ہیں چند ممتاز انجمنوں کے نام یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) انجمن خواتین برائے ترقی تعلیم و معاشرت (یہ انجمن کل ہند جو انگریز کانفرنس کی مقامی شاخ ہے)

(۲) لیڈی حیدری کلب۔ (۳) حیدرآباد لیڈیز ریکریشن کلب

(۴) حیدرآباد گرلز گائیڈ ایسوسی ایشن

شہزادی صاحبہ بڑے بڑے مجمعوں میں نہایت سلاست اور روانی کے ساتھ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں نہایت برمحل تقریر فرمایا کرتی ہیں۔ کسی مجلس کی صدارت فرماتی ہیں تو اسکے کاروبار کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ مروجہ پارلیمانی طریقہ کے بموجب انجام دیتی ہیں۔

اپنے جملہ پبلک مساعی میں علیا حضرت مستعدی اور پابندی کے ساتھ فوراً شرکت فرماتی ہیں اور کسی عام سود و بہبود کے کام میں امداد کی درخواست کی جائے تو لبیک کہے بغیر نہیں رہتیں۔ آپ ملکی و آصفی کے جملہ عقائد و مذاہب اور نقاطِ خیال کے شرفاء اور خواتین کے ساتھ ہر کارِ خیر میں تعاون و تعامل خندہ پیشانی کے ساتھ فرماتی ہیں

شہزادی صاحبہ نے تنظیم و قیادت کی اعلیٰ قابلیتوں کا بارہا مظاہرہ فرمایا ہے اور یہی صفات آپ کے لئے نہ صرف حیدرآباد میں بلکہ سارے ہندوستان اور بیرونِ ہند میں بھی قابلِ رشک شہرت اور نیکنامی حاصل کرنے کا موجب بنی ہیں علیا حضرت کو آئے دن کئی دعوت نامے وصول ہوا کرتے ہیں کہ آپ کل ہند مجالس کی صدارت فرمائیں چنانچہ سال حال بھی متعدد دعوتیں وصول ہوئی ہیں

کارہائے خیر متعلقہ جنگ

چند سال قبل جب یہاں ہوائی حملہ کے امکان کے خیال سے سخت دہشت و پریشانی پھیلی ہوئی تھی تو علیا حضرت نے ایک بہت بڑی جماعت بنام شہزادی برار کی غیر فوجی جمعیت دفاع شہری۔ برائے خواتین ترتیب دی اس جماعت میں سرکارِ عالی کے سررشتہ اے۔ آر۔ پی کے ساتھ قریبی تعاون کرتے ہوئے کام کیا۔ چھ زبانوں میں خواتین کے لئے اے۔ آر۔ پی فرسٹ ایڈ (ابتدائی طبی امداد) نرسنگ پر لکچروں کا انتظام کیا گیا اور دو ہزار سے زیادہ افراد کو رکن بنایا گیا اور انھیں مکمل تربیت کے بعد امتحان رضاکار بننے کے قابل کیا گیا علاوہ ازیں تقریباً ایک لاکھ غریب ترین طبقہ کی عورتوں کو گھر گھر پھیر کر عام فہم زبان میں ایک خاص اسکیم کے تحت تفہیم کی گئی۔

خواتین حیدرآباد کے جنگی کارہائے خیر کی بھی شہزادی صاحبہ صدر ہیں۔ "انجمن صلیب احمر" کے توسط سے زخمی فوجوں کی امداد کے لئے ضروری اشیاء روانہ کئے جاتے ہیں۔ اور انجمن خواتین کارہائے خیر متعلقہ جنگ ان آٹھ دواخانوں کی ضروریات کی سربراہی کی بھی ذمہ دار ہے جو ہندوستان میں رہنے والی افواج کے لئے مختص ہیں۔

صنعتی دلچسپی علیا حضرت کو ملک کی صنعتی ترقی سے بھی خاص شفقت ہے چنانچہ کانفرنس انجمن خواتین کے اجلاس منعقدہ ۱۹۳۷ء میں آپ نے حسب ذیل تحریک کو پیش فرمایا تھا۔

"کانفرنس ہذا ہر حیدرآبادی سے استدعا کرتی ہے، کہ وہ وفاداری کے ساتھ ارشاد خسروی کی تعمیل کرے اور وسیع پیمانہ پر مقامی مصنوعات کو استعمال کر کے گھریلو صنعتوں کی حوصلہ افزائی کرے۔"

اس تحریک کو پیش کرتے ہوئے شہزادی صاحبہ نے جو جامع اور بلیغ تقریر فرمائی تھی اس کو آب زر سے لکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کا مختصر اقتباس یہ ہے۔

"ہندوستان کے ہر گوشہ میں مستورات آمادہ اور بے چین ہو رہی ہیں اور قومی زندگی میں حصہ لینے کے واسطے مستعدی اور قابلیت کا صریحی ثبوت پیش کر رہی ہیں۔ ہم باشندگان حیدرآباد بھی اس میدان عمل میں اپنا فرض منصبی ادا

کرنے کے لئے کسی حالت میں پیچھے نہیں ہیں ۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

ہمارا وسیع ملک زمانہ قدیم سے تمام فنون لطیفہ کا مرکز رہا ہے اور جب میں غور کرتی ہوں کہ عوام میں اصلی دستکاری کو تازہ حیات دینے کی روز افزوں خواہش ہو رہی ہے اور اس کو مکمل کرنے کی انتھک کوششیں جاری ہیں تو مجھے نہایت مسرت ہوتی ہے ۔ اورنگ آباد کے ہمرو ۔ بیدری مصنوعات ۔ ورنگل کے قالین نرمل کے نقشی و رنگین اشیاء ۔ کریم نگر کا نقرئی تار کا کام ۔ ناندیڑ کا دستی بافتہ پارچہ ۔ پیٹھن کا مصالحہ اور سنگا ریڈی کا ریشم زردوزی وغیرہ ۔ ایسے بے شمار ملکی مصنوعات ہیں جو اپنی خوب صورتی اور کار آمد ہونے کے لحاظ سے بہت مشہور ہیں ۔

...... کاش حیدرآباد کی خواتین اپنے بادشاہ ذی جاہ کے اس مبارک پیام پر عمل پیرا ہوں جو اعلیٰحضرت خلد اللہ ملکہ نے گھریلو صنعتوں کے متعلق نہایت بلند اور ارفع خیالات کا اظہار فرمایا ہے ۔ جو صداقت کا آئینہ دار ہیں ۔ ارشاد ہوا ہے :۔۔

"میں چاہتا ہوں کہ یہ سررشتہ صنعت کی طرف زیادہ متوجہ ہوں
"تاکہ جس جس قسم کی صنعت ملک کے اندر ممکن ہو قائم کی جائے"
ہمارے لئے صرف یہی الفاظ شاہانہ کافی ہیں تاکہ ہم
ممالک محروسہ کی ترقی و بہبودی کے جذبات پیدا کریں اور مقاصد کے
حاصل کرنے میں معاون ہوں ۔ ۔ "

شہزادی صاحبہ ہر وقت ملک کی صنعتی ترقی کا خیال فرماتی ہیں اور اکثر اپنی ضروریات کی چیزیں یعنی اال امکان قلمرو آصفی کی بنی ہوئی استعمال فرماتی ہیں

قلمرو آصفی کی نہ ہوں تو وہ ہندوستان کی بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ آپ کا
ل رعایائے ملک کے لئے ہر آئینہ قابل تقلید اور لائق عمل ہے۔

شہزادی صاحبہ کو مصوری میں بھی مہارت ہے۔ حسن کاری کے عمدہ
نوں کی قدر دانی فرمانے میں اپنے صحیح ذوق کا جو اظہار فرماتی ہیں اس سے
ہی طرح توقع ہے کہ حیدرآبادی مذاق بہت جلد زیادہ پاکیزہ ہوجائے گا اور
ہوری ترقی کرکے کمال کے درجہ پر پہونچ کر آصفیہ اسکول کی بنیاد قائم ہوجائیگی۔

بہرحال ہر ہائینس شہزادی پرنسس آف برار نہ صرف خواتین دکن میں ایک
بہت ممتاز اور بلند مرتبہ رکھتی ہیں بلکہ ہندوستان کی خواتین بھی آپ کی ذات
۔ وہ صفات پر فخر و مباہات کرتی ہیں۔ آپ کی رفاہی۔ اصلاحی۔ علمی
معاشرتی کارنامے اہل ملک کے لئے نمونہ اور عمل کے لئے چراغ ہدایت ثابت ہونگے۔

(۲)
شہزادی نیلوفر فرحت بیگم صاحبہ

شہزادی نیلوفر فرحت بیگم صاحبہ، سلطان عبدالمجید خان کی بھانجی
اور سلطان مراد خان مرحوم کی پوتی ہیں[لہ]، قسطنطنیہ میں آپ کی ولادت ہوئی
خاندانی روایات کے موجب محل سلطانی میں آپ کی تعلیم اور تربیت ہوئی
اپنے ماموں (سلطان عبدالمجید خان) کے ہمراہ قسطنطنیہ سے فرانس آئیں
اور نیس میں قیام کیا۔ ۱۹۳۱ء میں آپ کا عقد شہزادہ والاشان نواب
اعظم جاہ بہادر کے ساتھ ہوا۔

بعد کتخدائی آپ شہزادہ بلند اقبال کے ہمراہ حیدرآباد تشریف لائیں، آپ کی اردو
تعلیم کے لئے نواب شہید یار جنگ بہادر کا انتخاب ہوا۔

شہزادی صاحبہ جب سے حیدرآباد تشریف فرما ہوئیں ہیں۔
اسی وقت سے آپ کو خواتین حیدرآباد کی ہر جہتی ترقی سے گہری دلچسپی اور
اُن کے سوشل اور سماجی کاموں سے خاص شغف ہے۔

لہ بحوالہ دکن مبارکباد نمبر

"انجمن ترقی تعلیم و تمدن" کی آپ صدارت فرما چکی ہیں، اور کئی مرتبہ اس کے اجلاسوں میں تحریکات پیش فرمائی ہیں۔ زنانہ کلبوں میں آپ تشریف فرما ہوتیں اور دلچسپی سے کلب کی مصروفیتوں میں حصہ لیا کرتی ہیں
شہزادی صاحبہ کی ایک گرانقدر قومی اور ملکی خدمت یہ ہے کہ آپ نے انجمن امداد طبی برائے خواتین و اطفال کی صدارت قبول فرمائی ہے۔ یہ انجمن جس قدر اہم حیثیت رکھتی ہے وہ ظاہر ہے۔ کیونکہ ہمارے اضلاع اور دیہات میں طبی امداد نہ ملنے سے صدہا عورتوں اور بچوں کی جانیں چلی جاتی ہیں۔ اس انجمن کے اغراض اور مقاصد کے متعلق جو تقریر شہزادی صاحبہ نے فرمائی تھی اس سے انجمن کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل ہوتے ہیں، چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

"ہمارے دیہی علاقوں میں مضر صحت حالات کی جو کثرت ہے اور ان سے قومی زندگی جتنے خطرات میں مبتلا ہے اس کا اندازہ ولادت اور اموات کے اعداد اور زچاؤں اور بچوں کے پریشان کن واقعات ہلاکت سے کیا جا سکتا ہے ....

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان حالات پر توجہ کرنے طبی امداد بہم پہنچانے، اصول حفظان صحت کا شعور پیدا کرنے اور نشر و اشاعت کے ذریعہ پبلک کو تربیت دینے کی ضرورت کتنی شدید ہے۔

سماجی بیماریوں سے خوفناک تباہیاں پھیلتی ہیں

یہ ایک موروثی لعنت کی حیثیت سے نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی رہتی ہیں ....

خون کی کمی کا علاج کرانے والے مرکزوں کا قیام بھی نہایت ضروری ہے، میرا خیال ہے کہ زچگی خانے اور بہبودی اطفال کے جو مرکز پہلے سے قائم ہیں ان میں اس شعبہ کا بھی اضافہ کر دیا جائے........ ہماری انجمن کی کامیابی بڑی حد تک ایک مکمل نظام تیمارداری کی تنظیم پر منحصر ہوگی..........................

میرے خیال میں ہماری سب سے پہلی کوشش لائق اور کارگزار نرسوں کی بھرتی ہونی چاہئے۔ یہ انجمن سررشتہ طبابت کے تعاون سے نرسوں اور حفظان صحت کے اصول سے آگاہ کرنے والے افراد کی تربیت کا انتظام کریگی........
ہمیں ایسے سماجی کارکنوں کی ضرورت ہوگی جن کا یہ فرض ہوگا کہ پاک وصاف زندگی بسر کرنے کی اہمیت سے لوگوں کو پوری طرح آگاہ کریں[۱]۔"

شہزادی صاحبہ کی ذاتی دلچسپی اور ہمدردی اور توجہ کا نتیجہ ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس انجمن نے دو لاکھ کا سرمایہ فراہم کر لیا ہے۔ توقع ہے کہ

---

[۱] ۔ رسالہ معلومات عامہ ۔

اس انجمن کے نتائج ملک و قوم کے لئے نہایت مفید و سود مند ثابت ہونگے۔

خواتین حیدرآباد کے کارہائے خیر متعلقہ جنگ میں بھی آپکا کافی حصہ ہوتا ہے۔ آپ نہ صرف رقمی امداد فرماتی ہیں بلکہ بہ نفس نفیس اس کاموں میں حصہ لیا کرتی ہیں۔

علیا حضرت شہزادی دُرِّ شہوار کی خواتین کی شہری رفاعی جمعیت کی آپ نائب صدر رہیں۔ اس کا پہلا جلسہ آپ ہی کی صدارت میں ہوا تھا۔ اور جمعیت کالائحہ عمل آپ کی رہنمائی میں تیار ہوا ہے۔ اس جمعیت نے اپنے کئی شعبہ مقرر کئے ہیں۔ مثلاً

(۱) خواتین وارڈان (۲) کھانے پینے کی چیزوں کی سربراہی (۳) دفتری کام (۴) ایمبولنس کا کام (۵) فوری طبی امداد (۶) گھر گھر کا معائنہ (۷) تیمارداری۔

انجمن انسداد گرانی و قلت اجناس سے بھی آپ کو ہمدردی ہے، اور اس میں بھی آپ کا حصہ ہے۔

مدرسوں، کالجوں، فوجی اسپورٹس دیگر نسوانی اداروں وغیرہ کے سالانہ جلسوں کی صدارت اور تقسیم انعامات کے موقع پر جب کبھی آپ سے استدعا کی جاتی ہے، آپ ہر موقع پر اس استدعا کو شرف قبولیت عطا کرکے اپنی گہری دلچسپی اور ہمدردی کا ثبوت دیتی ہیں۔

ملک کی علمی ترقی سے بھی آپ کو پوری ہمدردی ہے کئی علمی جلسوں کی صدارت فرمائی ہیں اور کئی کتابیں آپ کی اسم گرامی پر معنون ہوئی ہیں۔ چنانچہ راقم کی کتاب "خیابانِ نسواں" کو اس کا اعزاز حاصل ہے۔

(۳)
صاحبزادی نفیس النساء بیگم صاحبہ

صاحبزادی نفیسہ بیگم المخاطب بہ نفیس النساء بیگم صاحبہ کے والد میجر جنرل نواب قادر یار جنگ بہادر سابق کمانڈر سرکار عالی ہیں اور آپ کے نانا نواب لیاقت جنگ مرحوم سابق اول تعلقدار تھے جو حیدرآباد میں ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔

نفیس النساء بیگم صاحبہ کی پیدائش حیدرآباد میں ۱۹۱۸ء میں ہوئی آپ کی ابتدائی تعلیم گرامر اسکول پھر نیچ گنی میں ہوئی، اس کے بعد محبوبیہ اسکول میں شریک ہوئیں، اور سینئر کیمبرج کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ اسی مدرسہ میں مصوری اور موسیقی کی تعلیم بھی پائی آپ کو مشرقی اور مغربی دونوں قسم کی موسیقی میں کافی مہارت حاصل ہے

۱۹۳۸ء میں نفیسہ بیگم کی شادی خانہ آبادی صاحبزادہ نواب بسالت جاہ بہادر سے ہوئی۔

صاحبزادی صاحبہ کو خواتین حیدر آباد کی تعلیمی، معاشرتی اور سماجی ترقی، سے خاص دلچسپی ہے۔ اور ان کاموں میں بڑے ذوق وشوق سے حصہ لیا کرتی ہیں، چنانچہ صغرا بیگم ہمایوں مرزا کے قائم کردہ مدرسہ صنعتی نسواں کی آپ صدر ہیں، اور ہر ہفتہ میں ایک دو مرتبہ آپ بہ نفس نفیس تعلیم بھی دیا کرتی ہیں۔

ماہ دی ۱۳۵۳ف میں معلمات کی جو کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس کی صدارت آپ نے فرمائی تھی اور جو خطبہ اس موقع پر سنایا تھا وہ بہترین خیالات سے مملو تھا چنانچہ اس کا مختصر اقتباس قابل ملاحظہ ہے:۔

"موجودہ طرز تعلیم ہندوستان کی ضروریات کیلئے ناکافی ثابت ہوئی ہے اور اس چیز کی شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ طریقہ تعلیم میں تبدیلیاں کی جائیں۔ چنانچہ مغربی ممالک میں بہت ساری تبدیلیاں عمل میں لائی گئی ہیں۔ اور آئے دن نئے نئے تجربے کئے جارہے ہیں۔۔۔۔۔ لیکن ہندوستان میں نہ کوئی تجربہ کیا گیا اور نہ ہی وسیع طور پر جدید طریقہ تعلیم کو رائج کیا گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یہاں پر ہم کو دیکھنا ہوگا کہ آخر تعلیم کا مقصد کیا ہے؟ کیا تعلیم کے معنی صرف اتنے ہوتے ہیں کہ لوگ لکھنا پڑھنا سیکھ لیں یا تعلیم کے ذریعہ نوکریاں حاصل کرلیں۔ اگر یہی نصب العین ہے تو کسی ملک میں بھی ترقی دشوار ہے کیا اس

میں کوئی شک نہیں کہ ذاتی معاشی ترقی تعلیم کا ضروری جزو ہے، لیکن یہ معاشی ترقی انفرادی حیثیت نہیں رکھتی۔

معاشی ترقی قومی ہونی چاہیے۔ اور جس قدر اس بات پر زور دیا جائے اتنا ہی ملک میں معاشی ترقی کے امکانات ہیں لیکن تعلیم کا مقصد یہاں ختم نہیں ہو جاتا۔ تعلیم وہ واسطہ ہے جس پر سے گزر کر قومیں تمدن کی منزل کو پہنچتی ہیں۔ لہذا ہر تعلیم کا صحیح نصب العین یہ ہوگا کہ معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ تمدنی ترقی بھی جاری رہے۔ علاوہ ازیں انفرادی اور مجموعی حیثیت سے ملک کے ہر فرد و بشر کے اخلاقی معیار کو بھی بلند کیا جائے ....

.... قوم کی ترقی ایک حد تک نسوانی تعلیم پر منحصر ہے حیدرآباد میں فکر ہیکہ آج سے دس پندرہ سال کا مقابلہ کیا جائے تو ہم کو معلوم ہوگا کہ حیدرآباد کی عورتیں بھی تعلیم کی طرف اپنا رجحان بڑھا رہی ہیں۔ لیکن یہ اتنے وسیع پیمانے پر نہیں ہے جیسا کہ ہونا چاہیئے۔ علاوہ ازیں جو تعلیم بھی دی جا رہی ہے ایک حد تک محدود ہے۔ مناسب ہوگا کہ ادبی تعلیم کے ماسوا ہر اسکول میں امور خانہ داری بھی سکھلائے جائیں تاکہ حیدرآباد کی لڑکیاں ایک ترقی پسند ملک کی پوری خدمات انجام دے سکیں۔ خصوصاً ہماری تعلیم نے ہمکو قومی

ہمدردی سے بے بہرہ کردیا ہے ہم کو ایسی تعلیم کی ضرورت
ہے جس سے ہم میں یہ جذبہ پیدا ہوجائے کہ اپنے گھر کی چار
دیواری کے باہر بھی ہم اپنے ملک کی خدمت کرنے تیار
رہیں [۱]"

صاحبزادی صاحبہ صدر مجلس مسلم خواتین حیدرآباد کی نہ صرف صدر بلکہ اس مجلس کی بانیوں میں شامل ہیں۔

اس مجلس میں حیدرآباد کی جملہ مسلم نسوانی اداروں کے نمائندے شریک ہیں۔ مجلس کا لائحہ عمل تیار ہو رہا ہے۔ منجملہ دیگر مقاصد کے ایک یہ بھی مقصد ہے کہ عورتوں میں عربی زبان کی قابلیت پیدا کی جائے چنانچہ اس کے لئے ایک مدرسہ بھی قائم کر دیا گیا ہے۔ جہاں صرف عربی زبان کی تعلیم دی جاتی ہے مسلمانوں میں عربی زبان کے فقدان کے باعث مذہب سے غفلت بڑھتی جا رہی ہے جب تک عورتوں میں عربی کا ذوق نہ ہو اس وقت تک ہمارے بچے عربی سے مانوس نہیں ہو سکتے۔ اس لئے مجلس کا یہ کارنامہ قابل ستائش ہے۔ خود صاحبزادی صاحبہ کو عربی زبان اور مذہب سے خاص شغف ہے۔ چنانچہ ہر ہفتہ آپ کے قصر میں عربی اور دینیات کی تعلیم ہوتی ہے جس میں آپ خود شریک رہا کرتی ہیں۔

جیسا کہ تذکرہ کیا گیا ہے صاحبزادی صاحبہ کو عورتوں کی سوشل اور

---

[۱] - رہبر دکن ۲۹ دسمبر ۱۳۵۳ف۔

سماجی ترقی سے بھی دلچسپی ہے، آپ مرکزِ بہبودیِ اطفال کی نائب صدر اور لیڈی حیدری کلب کی شریک صدر ہیں، انجمن امدادِ طبی برائے خواتین و اطفال کی نائب صدر ہیں۔ اس طرح آپ خواتین کی رفاہی خدمات سے عملی دلچسپی لیا کرتی ہیں۔

عورتوں کی جسمانی ترقی کے لئے صاحبزادی صاحبہ ورزش اور گیمس کی ضرورت کو تسلیم کرتی ہیں۔ اور خود اس قسم کے کھیلوں سے دلچسپی لیکر عملی نمونہ پیش کرتی ہیں۔

صاحبزادی صاحبہ کو تعلیم ختم کرکے شادی کے بعد میدانِ عمل میں آکر چند ہی سال ہوتے ہیں۔ اس مختصر عرصہ میں بھی آپ کی قومی و ملکی مصروفیں قابلِ تقلید ہیں توقع ہے کہ آگے چلکر آپ حیدرآبادی خواتین کے لئے بیش بہا خدمات انجام دیں گے۔

(۴)

بیگم ولی الدولہ

امیر النساء بیگم، مولوی سید یوسف الدین صاحب مرحوم سابق صوبہ دار کی منجھلی دختر ہیں۔ مولوی سید یوسف الدین صاحب کے والد آصف جاہ رابع (نواب ناصر الدولہ) کے زمانہ میں طبابت کرتے تھے اور اپنی مسیحائی کے باعث مشہور تھے۔ آپ کے اجداد سنہ ۶۰۰ھ کے بعد بغداد و ایران ہوتے ہوئے دکن آئے۔ سلاطین بہمنی کے زمانے میں اعلیٰ مراتب پر فائز رہے۔ بیجاپور میں جاگیر ملی۔ پھر قطب شاہی دور میں بھی اعلیٰ خدمات پر سرفراز رہے۔

بیگم ولی الدولہ کا ننھیال ایک طرف نواب ارادت جنگ سالار الملک کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اور دوسری طرف نواب قوت جنگ بہادر الدولہ سے ملتا ہے۔ آپ کی پیدائش حیدرآباد میں سنہ ۱۹۰۴ء میں ہوئی۔

مولوی سید یوسف الدین نے اپنی دختر کو بڑی اچھی تعلیم دلائی۔ گھر پر تعلیم کا انتظام تھا، اس کے لیے نرسری قائم کی گئی تھی۔ جس میں مختلف شعبوں

کے لئے استاد اور انگریزی کے لیے ایک یوروپین گورنیس مامور تھی۔ اس کے بعد ہی حیدرآباد میں اس طریقہ تعلیم نرسری کا رواج ہوا۔ امیر النساء بیگم اردو فارسی انگریزی میں بہت اچھی مہارت رکھتی ہیں مولوی صاحب کے انتقال کے بعد سنہ ۱۹۲۱ء میں آپ کی شادی نواب ولی الدولہ امیر پائیگاہ سے ہوئی۔ نواب صاحب کو آپ کے بطن سے کئی اولادیں ہوئیں چنانچہ تین صاحبزادے نواب حبیب جنگ نواب نذیر یار جنگ نواب بشیر یار جنگ اور دو صاحبزادیاں بقید حیات ہیں۔

امیر النساء بیگم اپنی عمدہ قابلیت، تدبر اور اصابت رائے کے لحاظ سے مشہور ہیں۔ آپ اپنی خداداد ذہانت اور قابلیت کی بدولت اپنے شوہر کی مشیر اور مددگار تھیں۔ اور ان کی خانگی مشکلات، سرکاری مہمات وغیرہ کے متعلق بروقت عمدہ رائے اور صائب مشورہ دیتی رہیں۔ بہر حال پوری طرح آپ نواب صاحب کی شریک زندگی تھیں۔

طبقہ نسواں کی بھلائی اور بہبودی سے آپ کو ہمدردی ہے انجمن ترقی تعلیم و تمدن کی مستقل صدر ہیں۔ دوسری کئی انجمنوں سے آپ کو تعلق ہے۔ عورتوں کی تعلیمی، معاشرتی اور سماجی ترقی میں ہر وقت حصہ لیا کرتی ہیں۔ سکندرآباد کے لیڈی ہاٹس کلب کی صدر ہیں۔ نسوانی کانفرنسوں اور انجمنوں کے سالانہ جلسوں کی صدارت آپ نے بارہا فرمائی اور اپنے عمدہ خیالات اور بہترین مشوروں سے رہنمائی فرمائی ہے۔

جنگ کے کار ہائے خیر میں بھی آپ کا کافی حصہ ہے۔ مختلف حیثیتوں سے آپ نے امدادی کاموں میں دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔

آپ کے ان ہی کاموں کے باعث سرکار انگریزی سے طلائی تمغہ بھی ملا ہے۔ آپ کے اعلیٰ خیالات کا پتہ آپ کی تقریروں سے مل سکتا ہے چنانچہ ہم یہاں ایک خطبۂ صدارت کا مختصر اقتباس پیش کرتے ہیں۔

"ہمارے ملک کا تعلیمی بجٹ جس میں یونیورسٹی کو بھی شامل کر لیا جائے تو ایک کروڑ سے زائد ہے، اس میں اعلیٰ اور ثانوی تعلیم کے مصارف غیر معمولی طور سے زائد ہیں۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ابتدائی اور نسوانی تعلیم اس دور میں بہت پیچھے رہ جاتی ہے، موجب اطمینان یہ امر ہے کہ حکام حل و عقد ہماری تعلیمی پالسی کی اس کمزوری سے واقف ہو چکے ہیں۔ اور قومی امید ہے کہ آئندہ ابتدائی تعلیم کی اشاعت پر زیادہ رقم صرف کی جائے گی۔"

(۵)

بیگم نواب ظہیر یار جنگ

بیگم نواب ظہیر یار جنگ بہادر، نواب ولی الدولہ مرحوم کی بڑی صاحبزادی ہیں حیدر آباد میں ۱۹۱۱ء سنہ میں تولد ہوئیں۔ محبوبیہ گرلز ہائی اسکول میں تعلیم ہوئی آپ کا ننھیال نواب قوت یار الدولہ سے ملتا ہے۔ نواب ظہیر یار جنگ امیر پائیگاہ آسمان جاہی سے آپ کا عقد ۱۳۴۲ف سنہ (۱۹۳۲ء) میں ہوا۔ کئی اولادیں آپ کے بطن سے ہیں۔

حشمت النسا بیگم نے اپنے شوہر کے ساتھ یورپ اور امریکہ کی سیاحت فرمائی ہے اور وہاں کے نسوانی اداروں اور عورتوں کی ترقی کو غائر نظر سے دیکھا ہے۔ جب سے نواب ظہیر یار جنگ بہادر اپنے اسٹیٹ کے کاروبار بحیثیت امیر پائیگاہ۔ بذات خود انجام دے رہے ہیں۔ حشمت النساء بیگم بھی شریک زندگی کی حیثیت سے انیس اور رفیق معین اور مددگار رہی ہوی ہیں۔ جاگیرات میں نسوانی مدارس قائم کرنے، زچگی خانے اور دیگر

اصلاحی کاموں سے آپ کو پوری دلچسپی ہے۔ جب کبھی اپنے شوہر کے ساتھ اسٹیٹ کا دورہ کرتی ہیں تو عورتوں کے سوشل اور سماجی کاموں میں پورا حصہ لیا کرتی ہیں۔

گزشتہ سال جب آپ کے شوہر نامدار کل ہند مسلم ایجوکیشن کانفرنس کے اجلاس منعقدہ علی گڑھ کی صدارت فرمائی تھی تو آپ بھی ہمراہ تھیں اور وہاں شعبہ نسواں کی صدارت آپ نے فرمائی۔ اپنے پر مغز خطبہ میں عمدہ خیالات اور بہترین مشورہ سے مستورات کو مستفید فرمایا۔

آپ نے ایک ایسے نظام تعلیم کی ضرورت کا اظہار کیا جو خواتین کی ضروریات کو پورا کر سکے۔ کیونکہ جب تعلیم یافتہ مردوں میں بے روزگاری بہت شدت سے پھیل رہی ہے تو عورتوں کو چاہئے کہ وہ بھی اس قسم کی تعلیم حاصل کر کے حالات میں مزید دشواریاں نہ پیدا کریں، عورتوں کو استادنیوں لیڈی ڈاکٹروں نرسوں، اور دائیوں کی تعلیم دلائی جانی چاہئے کیونکہ ملک کو ان کی شدید ضرورت ہے عورتوں میں اس قسم کی تعلیم کا فقدان ہونے کے باعث عورتوں کی ہلاکت بالخصوص زچگی کے زمانے میں اموات کی کثرت میں اضافہ ہو رہا ہے، عورتوں کو گھریلو صنعتوں، سلائی، اور دوسری دستکاریوں کی بھی تعلیم دینا ضروری ہے تاکہ وہ بہتر زندگی بسر کر سکیں، اس جنگ کے بعد ہندوستانی عورتوں کے طرز رہائش میں تبدیلی ہو جائے گی۔ اور ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی لڑکیوں کو آنے والی تبدیلیوں کے لئے تیار کریں۔

(۶)

بیگم نواب کمال یار جنگ

نواب مخر الملک مرحوم حیدر آباد کے معزز امیر اور بڑے جاگیردار تھے۔ عرصہ دراز تک معین المہام عدالت، و تعلیمات و امور عامہ کی خدمت کو خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ بیگم نواب کمال یار جنگ آپ کی دختر نیک اختر ہیں۔ رواج خاندانی کے مطابق آپ کی تعلیم گھر پر ہوئی، دینیات فارسی، اردو، اور انگریزی میں مہارت رکھتی ہیں۔

بیگم نواب کمال یار جنگ ایک بڑے جاگیردار کی دختر اور ایک دوسرے بڑے امیر کی بیگم ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کو عام طبقہ نسواں کی بھلائی و ان کی ترقی سے خاص دلچسپی ہے، آپ پرانی مشرقی تہذیب اور روایات پسند کرتی اور ان پر عمل کرنیکا مشورہ دیتی ہیں۔

ہماری کتاب "خواتین دکن کی اردو خدمات" کی بلحاظ علم دوستی آپ نے

سرپرستی فرمائی اور پیش لفظ لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے۔ اس میں جن خیالات اظہار فرمایا ہے وہ نئی پود کے لئے چراغ ہدایت بن سکتے ہیں، چنانچہ آپ نے تحریر فرمایا ہے:۔

"میری رائے میں ہماری بہنوں کو چاہئے کہ افسانہ نگاری یا غزل گوئی سے ہٹ کر مفید تر مضامین مثلاً تاریخ، فلسفہ معاشیات، صحت عامہ، تربیت اطفال، امور خانہ داری وغیرہ پر خامہ فرسائی کریں شاعری بھی ہو تو کسی اعلیٰ مقصد کے تحت ہو۔ جیسے حالی یا اقبال کی شاعری"

ان مختصر جملوں سے بھی آپ کے اعلیٰ اور بلند خیالات کا پتہ چلتا ہے۔

چند سال پیشتر کل ہند مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ کلکتہ کی صدارت نواب کمال یار جنگ مرحوم نے فرمائی تھی تو اس وقت بیگم صاحبہ بھی ہمراہ تھیں اور آپ نے اس کانفرنس کے شعبہ نسواں کی صدارت فرمائی اور ایک جامع خطبہ سنایا تھا۔

رسالہ "خیابان دکن" آپ کی سرپرستی میں شائع ہونے لگا ہے۔ اور اس میں آپ کے مضامین بھی ہوتے ہیں۔

"صدر مجلس مسلم خواتین حیدرآباد" کی آپ نائب صدر ہیں اس انجمن کی صراحت صفحات ماقبل میں ہو چکی ہے۔

(۷)

لیڈی نواب مہدی یار جنگ

مرزا موسیٰ خان ایران کے معزز اور اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے
نواب مختار الملک کے زمانہ میں معتمد تعلیمات کی حیثیت سے یہاں مامور
رہے۔ ان کے تینوں فرزند اپنی قابلیت، لیاقت اور عمدہ کارگزاری کے
کے باعث مشہور رہیں۔ ان میں سے مرزا محمد علی خاں نے صوبہ داری تک ترقی
کی اور وظیفہ حسن خدمت کے بعد انتقال کیا۔ مرزا محمد علی خان کی اولاد اپنے
والد کا نام روشن کرنے میں مصروف ہے۔ چنانچہ مرزا حسین علی خاں نائب صدر
جامعہ عثمانیہ اور مرزا نجف علی خان ناظم معلومات عامہ کی شخصیت محتاج تعارف
نہیں ہے۔ مرزا محمد علی خان کی بڑی دختر لیڈی مہدی یار جنگ ہیں آپ
کی ولادت حیدرآباد میں ہوی، اس وقت کے رواج کے مطابق آپ کی
تعلیم گھر پر ہوی فارسی، اردو، انگریزی میں مہارت پیدا کی۔

لیڈی مہدی یار جنگ کو علمی کاموں سے شفقت ہے۔ چنانچہ رسالہ ناہید کی سر پرست ہیں۔ جہاں بانو بیگم کی کتاب رموز خانہ داری پر پیش لفظ لکھا ہے۔ اس پیش لفظ سے آپ کے ان پاکیزہ خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ جو آپ کے خیال میں عورتوں کے لئے ضروری ہیں چنانچہ آپ نے لکھا ہے :۔

" کامیاب زندگی کے لئے علم اور عمل دونوں کی ضرورت ہے اگر ان دونوں میں سے ایک کی بھی کمی ہو تو زندگی نامکمل رہ جاتی ہے۔ جو لڑکیاں شادی کے بعد کتب کے مطالعہ میں اتنی سرگرم رہتی ہیں کہ ان کو امور خانہ داری سے کوئی واسطہ نہیں رہتا۔ وہ گھر کے انتظام کے قابل نہیں رہتی ہیں۔ پھر ان سے نہ بچوں کی پرورش ہو سکتی ہے اور نہ جیسی کہ ہونی چاہئے۔ میاں کی خدمت ہو سکتی ہے۔ ایسی لڑکیوں کی زندگی میں ایک طرح کی بے لطفی پیدا ہو جاتی ہے۔

اور ان کا اصلی معنوں میں خوش رہنا بہت مشکل ہے "

اس صراحت سے اس امر کا پورا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کی رائے میں عورت کو کن اوصاف سے متصف ہونا چاہئے۔

لیڈی مہدی یار جنگ نے اپنے شوہر کے ساتھ کئی مرتبہ راؤنڈ ٹیبل

نفرس کے زمانہ میں انگلستان کا سفر کیا ہے اور وہاں کی عورتوں کی ترقی
ا گہرا مطالعہ فرمایا ہے ۔

حیدرآبادی عورتوں کی معاشرتی اور سماجی ترقی سے آپ کو
ری دلچسپی ہے ۔ اور ان کی ترقی اور اصلاح کے لئے جو بھی تحریک پیش کی
تی ہے اس کو آپ پسند کرتی اور مدد کرتی ہیں ۔

---

(۸)

رانی صاحبہ راجہ شام راج

رانی امبابائی صاحبہ، راجہ شام راج راج ونت بہادر کی شریک زندگی پونہ کے ایک جاگیردار کی دختر ہیں پونہ میں پیدا ہوئیں اور وہاں ہی گھر میں تعلیم و تربیت ہوئی شادی کے بعد حیدرآباد آگئیں اور حیدرآباد کو وطن بنا لیا۔

رانی امبابائی کو مرہٹی میں کافی دستگاہ حاصل ہے۔ مصوری سے زیادہ شغف ہے، فنون لطیفہ کی دوسری شاخوں، موسیقی اور آذری سے بھی دلچسپی ہے آپ عمدہ نقاشی اور آثار کی بڑی قدردانی کرتی ہیں اچھے اچھے نمونے جمع کی ہیں

آپ کو امور خانہ داری اور سلیقہ شعاری میں بڑی اچھی مہارت حاصل ہے گھریلو امور میں آپ کا حسن انتظام بطور نظیر پیش کیا جا سکتا ہے۔
جس طرح گھر کے انتظام اور سلیقہ شعاری میں آپ کو ملکہ حاصل ہے

اسی طرح سماج کی اصلاح اور سوشل خدمات سے بھی دلچسپی ہے۔ زنانہ رکریشن کلب کی آپ مستقل صدر ہیں۔ کلب کی ترقی اور بہبودی ہر وقت پیش نظر رہا کرتی ہے۔ کلب کی دلچسپیوں اور کلب کے مظاہروں میں حصہ لیا کرتی ہیں۔

ہیرا کی، ٹینس وغیرہ کھیلوں میں مہارت ہے، آپ ایک روشن خیال اور امور دنیا سے باخبر رانی ہیں۔ اپنی جاگیرات میں عورتوں کی ترقی اور اصلاح میں ہر وقت ساعی اور ان کی بہبودی کے کاموں میں منہمک رہا کرتی ہیں۔

دواخانہ عثمانیہ کی انتظامی کمیٹی میں آپ بھی شریک ہیں اور پوری دلچسپی لیتی ہیں۔

(۹)

مسز سروجنی نائیڈو

بلبل دکن مسز سروجنی نائیڈو کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے آپ کی زندگی کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں۔

مسز سروجنی نائیڈو کے والد ڈاکٹر رگھوناتھ چٹوپادیا بنگال کے باشندے تھے۔ نواب مختار الملک اول کے زمانہ میں (۱۸۷۷ء) حیدرآباد آئے حیدرآباد کالج کے پرنسپل رہے اس کے بعد نظام کالج میں پروفیسر کیمیا کی حیثیت سے برسوں سرکاری خدمت پر مامور رہے، ڈاکٹر صاحب کو حیدرآباد کی ترقی سے خاص دلچسپی تھی۔ آج سے پچاس سال پہلے کی ہر علمی تحریک میں، ڈاکٹر صاحب کا عملی حصہ ہوتا تھا۔ حیدرآباد میں مدرسہ نسوان قائم کرنے کے وہ بانی تھے۔

۱۸۷۹ء میں مسز سروجنی نائیڈو کی ولادت حیدرآباد میں ہوئی

اور ابتدائی تعلیم و تربیت بھی یہاں ہی ہوئی۔ اس کے بعد یورپ گئیں اور مدینۃ العلم آکسفورڈ میں شریک ہوئیں اسی مقام سے آپ کی شاعری کا آغاز ہوا۔ ۱۸۹۸ء میں آپ کی شادی مدراس کے ڈاکٹر نائیڈو سے ہوئی مسز سروجنی کا تعارف دو حیثیت سے کرایا جا سکتا ہے ادیبہ اور سیاسی رہنمائی

جیسا کہ تذکرہ کیا گیا ہے آپ کی شاعری کا آغاز انگلستان سے ہوا اور اس وقت آپ ایک کہنہ مشق شاعرہ ہیں۔ اب تک آپ کی نظموں کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں طلائی آستانہ ——————
طائرِ وقت —————— اور شکستہ پر ——————

ان نظموں کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ ان کے ذریعہ مشرقی خیالات مشرقی جذبات کا مغربی لباس اور مغربی رنگ میں اظہار ہوتا ہے کبھی آپ کے مغربی مے کدہ میں شیراز کی مے دو آتشہ جھلک دیتی ہے، آپ کی نظموں میں حب وطنی، انسانی ہمدردی، شفقت مادری اور بہادر قومی کے ایسے ایسے انمول نگینے نظر آتے ہیں۔ جن کی درخشانی اور تابناکی دیکھنے والوں کو متعجب و متحیر کر دیتی ہے۔ ان نظموں میں ایک طرف موذن کی اذان، پجاری کی بھجن کا ترانہ گایا گیا ہے۔ تو دوسری طرف کہاروں کے گانے، پالکی بردار کے گیت، فقیر کی صدا۔ سنترہ بیچنے والی کی آواز کو بھی لطیف اور پاکیزہ مضمون کی صورت میں بدل دیا ہے۔

شاعری کی طرح آپ کی نثر بھی فصاحت و بلاغت آمیز ہوتی ہے۔ اسکی روانی، رنگینی، اور خیالات کی ندرت قابل داد ہوتی ہے۔

مسز سروجنی کو بحیثیت مقررہ پیش کرنا ضروری ہے۔ آپ نہ صرف ایک جادو بیان شاعرہ ہیں بلکہ فصیح و بلیغ مقررہ بھی ہیں۔ آپ تقریر نہیں کرتی بلکہ روانی تسلسل اور زور بیان کا دریا بہا دیتی ہیں۔ الفاظ کی آمد، بیان کی سلاست آواز کا ترنم ایک سیلاب ہوتا تھا۔ جو دلوں میں طوفان برپا کر دیتا ہے۔ انگریزی خطابت کے پورے گر آپ کو معلوم ہیں آپ صرف حیدرآباد ہی کی نہیں بلکہ سارے ہندوستان کی ایسی خاتون ہیں جنھوں نے امریکہ اور انگلستان میں تقریر کر کے اہل زبان سے اپنا لوہا منوالیا ہے۔ اس بلبل دکن کی خوش نوائی، اور جادو بیانی نے تحسین اور آفرین کے صدہا تمغے حاصل کئے ہیں۔ مسز سروجنی کی تقریر ایسی موثر اور پراثر ہوتی ہے کہ جو اصحاب انگریزی سے واقف نہیں ہوتے ان پر بھی آپ کی روانی اور اسلوب بیان کا خاص اثر ہوتا ہے۔ آپ کبھی کبھی اردو میں بھی تقریر کرتی ہیں جو دلچسپی میں انگریزی سے کم نہیں ہوتی۔

مسز سروجنی کے سیاسی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ آپ کل ہند کانگریس کی روح رواں ہیں اس کی صدارت کر چکی ہیں اور عرصہ دراز سے اس کی انتظامی کمیٹی کی رکن ہیں۔ کئی مرتبہ سیاسی قیدی کی حیثیت سے اسیر فرنگ ہو چکی ہیں۔ آپ کا مسلک یہ ہے کہ ہندو اور مسلم باہم اتفاق کریں اور اس اتحاد و اتفاق سے ہندوستان کی حکومت کی جائے۔

مسز سروجنی کو عورتوں کی سماجی اور معاشرتی ترقی سے بھی دلچسپی ہے وہ نہ صرف عورتوں کو گھر کی چار دیواری کے اندر آزاد دیکھنے کی متمنی ہیں، بلکہ حکومت میں حصہ وار سیاست میں دخیل ہونے کی آرزو رکھتی ہیں اور اسی کی تکمیل کے لئے جدو جہد کرتی ہیں۔

آپ کو سیر و سیاحت، مہمان نوازی وغیرہ کا بڑا شوق ہے، اور دنیا کی بڑی بڑی ہستیوں کی مہمان نوازی کا امتیاز حاصل ہے۔

---

(۱۰)

صغرا بیگم ہمایوں مرزا

صغرا بیگم ہمایوں مرزا نہ صرف حیدرآباد بلکہ ہندوستان کی علمی اور نسوانی دنیا میں مشہور و معروف ہیں۔ آپ ترکی النسل ہیں۔ آپ کے دادا نے آصفجاہ ثانی کے عہد میں حیدرآباد آکر شمشیر سازی کا کارخانہ قائم کیا تھا اور والد صفدر علی مرزا حیدرآباد کے مشہور ڈاکٹر تھے۔ جنہوں نے یہاں کے مدرسہ طبابت میں تعلیم پائی تھی۔ مرحوم اعلیٰحضرت کے اسٹاف سرجن کے فرائض بھی آپ سے متعلق تھے۔

صغرا بیگم کی پیدائش حیدرآباد میں سنہ ۱۸۸۴ء میں ہوئی چونکہ آپ اپنے والد کی پہلی اولاد تھیں اس لئے بڑی خوشی منائی گئی۔ اس کے باوجود والدین نے آپ کو صرف ۱۲ ماہ کے سن میں چچا کی نگرانی میں چھوڑ کر حج کے لئے چلے گئے آج سے پچاس ساٹھ سال پیشتر حج میں اتنی سہولتیں نہیں تھیں جتنی اب ہیں

میں ہر وقت جان و مال کا خدشہ رہا کرتا تھا۔ لیکن فریضہ حج کی ادائی اولاد کی محبت پر غالب آگئی تھی۔

صغرا بیگم کی تعلیم گھر پر ہوئی کیونکہ اس زمانہ میں زنانہ مدرسے نہیں تھے اور پھر شرفاء اور معززین کی اولاد مدرسہ میں نہیں بھیجی جاتی تھی، گھر کی تعلیم کے بعد صغرا بیگم نے علمی ذوق اور شوق کے باعث مطالعہ جاری رکھا اسی وجہ سے آپ کے معلومات وسیع ہوگئے۔

سن ۱۹۱۰ء کے میں صغرا بیگم کی شادی پٹنہ کے ایک معزز خاندان کے فرد مسٹر ہمایوں مرزا سے ہوئی۔ ہمایوں مرزا کا اصلی نام سید عاشق حسین تھا۔ آپ کے والد سید الفت حسین المتخلص بہ فریاد نہ صرف ایک عالم متبحر بلکہ اپنے وقت کے مشہور و معروف شاعر تھے حضرت شاد عظیم آبادی کو فریاد ہی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ ہمایوں مرزا صاحب کی پرورش ان کی ننیال میں ہوئی تھی۔ اس لئے نانی نے اپنے خاندانی ناموں کی مناسبت سے ہمایوں مرزا سے آپ کو ملقب کیا اور اسی نام سے آپ کی شہرت ہوگئی۔

صغرا بیگم کو اپنے شوہر سے بڑی محبت تھی اور ان کی خدمت اپنی ذات سے کرتی تھیں مرزا صاحب کو بھی اپنی بی بی سے اسی طرح محبت تھی اور انھوں نے آپ کو علمی اور قومی کام کرنے میں پوری آزادی دے رکھی تھی، ہمایوں مرزا کا انتقال ۱۹۳۷ء م ۱۳۴۸ف میں ہوا۔ ہمایوں گنج میں مدفون ہیں صغرا بیگم نے ایک خوبصورت اور شاندار مقبرہ تعمیر کرا دیا ہے۔

صغرا بیگم کا تعارف مختلف حیثیتوں سے کرایا جاسکتا ہے۔ مثلاً مصنفہ، شاعرہ، مقررہ، سیاح، سلیقہ شعاری، قومی اور ملکی خدمت کرنے والی وغیرہ۔

صغرا بیگم اردو کی مشہور مصنفہ ہیں آپ کی چودہ پندرہ کتابیں آج تک شائع ہو چکی ہیں جو سفرناموں، افسانوں، سوانح وغیرہ موضوع سے متعلق ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے مضامین اس کثرت سے شائع ہوئے ہوئے ہیں کہ ان کا مجموعہ کئی ضخیم جلدوں پر حاوی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مقالات صغرا کے نام سے ایک مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔

صغرا بیگم کا تخلص حیا ہے۔ حضرت خلیل سے تلمذ حاصل ہے مرحوم ڈاکٹر اقبال نے بھی آپ کی ایک نظم کو اصلاح دی ہے۔ شاعری سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ زیادہ تر آپ نثر ہی لکھا کرتی ہیں۔

صغرا بیگم کو تقریر کرنے کا ملکہ حاصل ہے۔ نہ صرف زنانہ جلسوں بلکہ مردوں کے جلسوں میں بھی آپ نے تقریر فرمائی ہے۔ آپ کی تقریر سلیس اور صاف ہوتی ہے۔

اڈیٹرہ کی حیثیت سے بھی بیگم ہمایوں مرزا کا تعارف کرایا جا سکتا ہے۔ ایک عرصہ تک رسالہ النساء حیدرآباد سے آپ شائع کرتی رہیں اب کئی سال سے رسالہ زیب النساء آپ کی اڈیٹری میں لاہور سے شائع ہوتا ہے۔

آپ کو سیاحت کا بڑا شوق ہے۔ شمالی اور جنوبی ہند بنگال بہار

وغیرہ کے علاوہ یورپ کے اکثر ملکوں کی سیاحت فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ عراق عرب، اور ایران کے کئی ملک دیکھے ہیں۔ سیاحت کے بعد آپ اپنا سفرنامہ مرتب کر دیتی ہیں اس طرح آپ کے کئی سفرنامہ شائع ہوئے ہیں۔ آپ کا یہ شوق اب بھی باقی ہے۔ شوہر کے انتقال کے بعد بھی مدراس، بمبئی، دہلی، وغیرہ کئی مرتبہ گئی ہیں۔

صغرا بیگم بڑی سلیقہ شعار ہیں آپ کو گھر کے انتظام پکوان، دست کاری سوزن کاری وغیرہ میں پوری مہارت حاصل ہے۔ ہندوستانی انگریزی ایرانی اور ترکی کسی طرح کے پکوان میں مہارت ہے۔ دست کاری میں کئی انعامات حاصل کر چکی ہیں۔

بیگم ہمایوں مرزا کے قومی اور ملکی کاموں کو بھی مختلف عنوان پر تقسیم کر سکتے ہیں مثلاً زنانہ مدرسہ قائم کرنا۔ قومی کاموں کے لئے چندہ جمع کرنا، انجمنیں قائم کرنا اور کانفرنسوں میں حصہ لینا وغیرہ۔

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ہمایوں نگر میں ایک زنانہ مدرسہ قائم فرمایا ہے۔ اس میں ابتدائی تعلیم کے ساتھ لڑکیوں کو گھریلو صنعت اور دست کاری سکھائی جاتی ہے۔ اس مدرسہ کے مکان کے لئے نہ صرف آپ نے زمین مفت دی ہے بلکہ تعمیر مکان میں بھی بڑی رقم صرف فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ اپنی جائداد سے تقریباً لاکھ ڈیڑھ لاکھ قیمت کا مکان اس کے لئے وقف کر دیا ہے۔ اس مدرسہ سے آپ کو بڑی دلچسپی ہے۔ اپنے وقت کا بڑا حصہ کاروبار اور تعلیم وغیرہ میں صرف کرتی ہیں

چندہ جمع کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس میں بڑی دردسری ہوتی ہے مگر یہ امر خاص طور سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ صغرا بیگم نے کسی ایک موقع پر چندہ جمع نہیں کیا ہے بلکہ اب تک متعدد مرتبہ آپ نے کافی رقم جمع کرکے روانہ کی ہے۔ مثلاً رود موسیٰ کی طغیانی سنہ ۱۹۲۰ء کے موقع پر ہزاروں روپیہ کا چندہ جمع کرکے پردہ نشین خواتین کی دستگیری فرمائی۔ خواجہ کمال الدین کے مشن اشاعت اسلام کے موقع پر آپ نے لبیک کہا اور چندہ فراہم کیا۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں جنگ بلقان، سنہ ۱۹۲۴ء میں زلزلہ تربیت حیدری (ایران)، مصیبت زدگان سمرنا۔ غازی عبدالکریم کی گرفتاری پر ان کے متعلق رفیقوں کی امداد۔ لندن میں تعمیر مسجد اور تعمیر قبرستان مسلم یونیورسٹی اتربیت گاہ راشٹر انجیری وغیرہ کے بیسیوں موقع ہیں بہرحال صغرا بیگم نے نہایت مستعدی اور دلدہی سے کوشش کی اور انکی کوشش سربسبز ہوتی رہی۔

صغرا بیگم کو عموماً ہندوستانی عورتوں خصوصاً مسلمان عورتوں کی ترقی سے بڑی دلچسپی ہے اس کے لئے آپ انجمن بناتی ہیں اور مجتمع حیثیت سے ترقی کرنیکا سبق دیتی ہیں ہندوستان کے کئی شہروں مثلاً مدراس دہلی وغیرہ میں آپ نے نسوانی انجمن قائم فرمائی ہیں۔ حیدرآباد میں کئی انجمنیں آپ کی رہین منت ہیں۔ انجمن خواتین دکن کی آپ بانی ہیں اور مستقل صدر کی حیثیت سے دامے درمے قدمے مدد کرتی ہیں انجمن خواتین اسلام کی آپ عرصہ تک سکریٹری رہیں سنہ ۱۹۲۰ء میں جب لیڈی واکر نے زنانہ مشغل ایسوسی ایشن کی بنا ڈالی تو آپ انکی دست راست رہیں اور ایسوسی ایشن کے کاموں میں بڑی

رہ دری ہے۔

اور آج کل عورتوں کے جس قدر سوشل اور سماجی کام ہوتے ہیں ان میں آپ پورا حصہ لیا کرتیں اور مستعدی سے اپنے فرائض انجام دیا کرتی ہیں۔

سیاسی کاموں سے بھی آپ کو دلچسپی ہے، ہندو مسلم، سنی شیعہ کے اتفاق پر ہمیشہ زور دیتی ہیں۔

المختصر صغرا بیگم ہمایوں مرزا کا نام حیدرآباد کی عورتوں میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کے علمی، قومی خدمات دوسروں کے لئے نمونہ اور نظیر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

(۱۱)

بیگم نواب مہدی نواز جنگ

بلگرام کے مردم خیز قطعے سے بھی حیدرآباد کو حصہ ملا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی اپنے وطن کو خیرباد کرکے اورنگ آباد میں مقیم ہوگئے تھے، نہ معلوم ان کے بعد کتنے بلگرامی فرزند حیدرآباد آئے گزشتہ صدی میں مولوی سید حسین بلگرامی المخاطب نواب علی یار خان موتمن جنگ عماد الدولہ عماد الملک مرحوم نے حیدرآباد میں اپنی قابلیت لیاقت، دیانت اور وفاداری سے جو نام پیدا کیا وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ نواب عماد الملک کو حیدرآباد کی تعلیمات سے خاص تعلق تھا وہ عرصہ دراز تک ناظم تعلیمات کی حیثیت سے مامور رہے، مرحوم اپنے آخر زمانہ میں مشیر مدار المہام کی حیثیت سے نواب سالار جنگ ثالث کے ساتھ کام کرتے رہے۔

نواب صاحب مرحوم کی وفاداری اور نیک نامی کی وجہ ہے کہ

آج بھی آپ کے فرزند اور آل و اولاد اچھے عہدوں پہ سرفراز ہیں اور نیک نامی کے ساتھ خدمت ملک و مالک میں مصروف ہیں۔ نواب عقیل جنگ بہادر نائب صدر اعظم عماد الملک کے دوسرے فرزند ہیں۔

بیگم مہدی نواز جنگ نواب عقیل جنگ بہادر کی بڑی صاحبزادی ہیں۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں آپ کی پیدائش حیدرآباد میں ہوئی۔ بیگم صاحبہ کے نانا مولوی سید علی حسن مرحوم تھے۔ جو عرصہ تک حیدرآباد میں رکن مجلس مالگزاری وغیرہ کی خدمت کو انجام دیتے رہے۔ اور حیدرآباد سے واپسی کے بعد دیگر دیسی ریاستوں میں بھی آپ اعلیٰ خدمتوں پہ مامور رہے۔ بیگم نواب مہدی نواز جنگ کی عمر کے ابتدائی بارہ سال نانا اور نانی کے پاس ہندوستان میں بسر ہوئے۔ خاندانی رواج کے مطابق آپ کی ابتدائی تعلیم دینیات وغیرہ کی گھر پہ ہوئی۔ اس کے بعد جب حیدرآباد آئیں تو اولاً نامپلی ہائی اسکول اور پھر محبوبیہ گرلز اسکول سے استفادہ کیا۔

ختم تعلیم کے بعد سنہ ۱۹۱۹ء میں آپ کی شادی مولوی سید محمد مہدی صاحب سے ہوئی جو حیدرآباد میں اپنے گوناگوں خوبیوں اور سرکاری اہم خدمات کے باعث ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

بیگم مہدی نواز جنگ نے دو مرتبہ یورپ کا سفر کیا ہے۔ اولاً سنہ ۱۹۳۳ء میں اپنے علاج کے لئے اور پھر دوسری مرتبہ ۱۹۳۵ء میں آپ یورپ تشریف لے گئیں جب آپ اپنے علالت کے سلسلہ میں فرانس کے

زیر علاج تھیں تو آپ کو وہاں کی نرسوں کے کام پر تعجب ہوتا تھا کہ باوجود زبان سے ناواقف ہونے کے جب کبھی کسی کام کے لئے آپ انکو طلب کرتیں تو وہ آکر آپ کے بلا کہے اس ضرورت کو رفع کر دیتی تھیں آپ نے ان سے اپنے اس تعجب کا اظہار فرمایا تو انھوں نے جواب دیا کہ ان کا کام ہی یہ ہے کہ مریض سے گفتگو کئے بغیر اس کی ضرورت اور حاجت معلوم کر لیں۔ آپ کو اس کا بھی علم ہوا کہ یہاں کی نرسیں اچھے گھرانے کی ہوتی ہیں اور معزز شریف طبقہ سے ان کا تعلق ہوتا ہے۔

جب آپ یورپ سے واپس ہوئیں تو اس امر کی کوشش فرمائیں کہ "نرسنگ" کے کام کی عملی تعلیم حاصل کریں۔ مگر عرصہ دراز تک آپ کو اس کی اجازت نہیں ملی کیونکہ نرس کی تعلیم کے لئے امتحان میٹرک کے پاس ہونے کی شرط تھی۔ مجبوراً آپ اپنے شوق سے باز رہیں۔ لیکن جب موجودہ جنگ کے سلسلہ میں انجمن "صلیب احمر" کی جانب سے نرسوں کی مانگ ہوئی تو آپ نے فوراً لبیک کہا اور اپنے خدمات پیش کر دیں چھ ماہ تک باضابطہ نرسنگ کی تعلیم حاصل کی، آپ ان خواتین میں شامل ہیں جنھوں نے سب سے پہلے پیش قدمی کی تھی، اور اپنے گھر بار بال بچوں کی خدمت کے ساتھ اس کار خیر کے لئے مستعد ہو گئی تھیں۔ بعد ختم تعلیم آپ کو کراچی بھیجا گیا۔ وہاں کے فوجی دواخانہ میں چھ ماہ تک اپنے فرائض کو انجام دیا آفیسر وارڈ ٹی بی بچل وارڈ وغیرہ مختلف حصوں میں آپ نے نہایت خوش اخلاقی محنت اور جانفشانی کے ساتھ اپنے مفوضہ کام کو کیا۔ آپ کے وارڈ میں

بیمارداری کی تعداد خاصی ہوتی تھی۔ اس کے باوجود نہایت عمدگی اور دلچسپی سے تمام مریضوں کی خدمت مستعدی سے کرتی رہیں جس کے باعث آپ کے عمدہ خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے۔ چھ ماہ کے بعد بوجہ علالت آپ حیدرآباد واپس آگئیں۔

آپ کی خواہش تھی کہ "نرسنگ" کے ساتھ "زچگی" کی بھی عملی تعلیم حاصل کریں مگر افسوس ہے کہ سررشتہ طبابت نے اس کی بھی اجازت نہیں دی۔

بیگم نواب مہدی نواز جنگ کو سرکاری جانب سے مختلف کمیٹیوں تنظیم مابعد جنگ اور اغذیہ وغیرہ کے انتظام میں شریک کیا گیا ہے۔ آپ ایک منتظم اور سلیقہ شعار خاتون ہیں۔ نمائش مصنوعات ملکی کے ابتدائی سالوں میں زنانہ کا انتظام آپ ہی کے ذمہ تھا۔ انتظامات کے جو نقش آپ نے قائم کئے تھے۔ ان ہی پر زمانہ مابعد میں عمل ہوتا رہا ہے۔

آپ مجسم عملی خاتون ہیں تقریروں اور تحریکوں میں دلچسپی نہیں لیتی بلکہ اپنے عمل اور کارگزاری سے دوسروں کے لئے نمونہ پیش کرتی ہیں۔

اگر حیدرآباد کی عملی خدمت کرنے والی خواتین کی فہرست مرتب کی جائے تو آپ کا نام نمایاں حیثیت رکھیگا۔ آپ کے تذکرہ کے بغیر کوئی کتاب مکمل نہیں ہوسکتی۔ اس میں شک نہیں ہے کہ ٹھوس اور

حقیقی کام کرنیکا آپ میں فطرتی مادہ ہے اور آپ اس فطرتی جذبہ سے پوری طرح استفادہ کرتی ہیں۔

امور خانہ داری، سلیقہ شعاری، باغبانی، دست کاری، موسیقی وغیرہ میں بھی آپ کو دخل ہے۔ ایک بہترین بی بی اور پرشفقت و محبت ماں اور باوفا سہیلی اور دوست صادق کی حیثیت سے آپ کا تعارف کرایا جاسکتا ہے۔

(۱۲)

مسز برکت رائے

مسز برکت رائے۔ مہاراجہ کشن پرشاد آنجہانی کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں حیدرآباد میں تولد ہوئیں خانگی طور پر اردو فارسی انگریزی کی تعلیم ہوئی۔ رائے برکت رائے صاحب سے شادی ہوئی۔ رائے صاحب دوم تعلقداری سے ترقی کرتے ہوئے اب صوبہ دار ہوچکے ہیں۔

مسز برکت رائے کو شعر و سخن سے خاص دلچسپی ہے ہندی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر موزوں کرتی ہیں خصوصیت سے بچوں کے لئے نظم لکھنے کا آپ کو خاص سلیقہ ہے چنانچہ "بچوں کے ترانے" کے نام سے ایک مجموعہ شائع کرچکی ہیں۔ آپ کی قومی نظمیں بھی قابل قدر ہیں جس میں ہندو اور مسلم اتحاد و اتفاق پر زور دیا گیا ہے۔

قومی اور ملکی کاموں سے دلچسپی ہے۔ حیدرآباد میں گھریلو صنعت کی بنیاد قائم کرنے میں آپ کا بڑا حصہ ہے۔ اس نے اب بڑی ترقی کرلی ہے

ہے شوہر کے ساتھ جہاں جہاں رہیں وہاں عورتوں کی ترقی کے لئے کچھ نہ کچھ کرتی رہیں چنانچہ اورنگ آباد میں انجمن ترقی تعلیم و تمدن کی شاخ قائم فرمائیں اور اس کی صدارت کے فرائض حسن و خوبی سے انجام دیتی رہیں۔ خواتین اورنگ آباد کے لئے ایک سوشل کلب قائم فرمائیں۔ ایک مخلوط کلب بھی تھی غریب آوارہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے جو آپ کے بنگلہ "گلشن محل" کے قرب و جوار میں رہا کرتے تھے ایک اسکول قائم کیا تھا مس عورتوں کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ شبینہ کی بنا ڈالی تھی۔

جیسا کہ بیان کیا گیا آپ کو گھریلو صنعت سے خاص دلچسپی ہے اور اس میں آپ مہارت تامہ رکھتی ہیں سلیقہ شعاری میں بھی آپ کو اچھا ملکہ حاصل ہے سیاست میں بھی دخل ہے۔ اپنے شوہر کی پوری طرح ان کے آئینی زندگی میں ان کاموں میں مدد اور مشورہ دیتی ہیں۔

آپ کو اپنے مذہب سے پوری طرح شغف ہے "بھگوت گیتا" کے کئی اشلوک کو آپ نے اردو نظم میں منظوم کیا ہے آپ کی طبیعت میں رواداری فطرتاً ودیعت ہوئی ہے ملک کی ترقی کے لئے ہندو مسلم کا اتفاق ضروری تصور کرتی ہیں۔

---

(۱۴)

بیگم بہادر خان

مولوی بہادر خان صاحب مرحوم کی شریک زندگی بیگم بہادر خان آپ ہی کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ روایات خاندان کے بموجب گھر پر تعلیم ہوئی۔ اُردو، فارسی، عربی میں مہارت پیدا کی۔

اپنے نامور شوہر کے کاموں میں برابر کی شریک ہیں، مسلمان عورتوں کی ترقی آپ کا نصب العین ہے، اتحاد المسلمین کے زنانہ جلسوں میں آپ شریک ہوتیں اور تقریر فرماتی ہیں۔

بیگم بہادر خان صاحب کا ایک تابناک کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مسلمان لڑکیوں کی مذہبی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا ہے۔ جہاں ہفتہ میں دو روز مذہبی یعنی قرآن شریف تفسیر اور حدیث کی اردو میں تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ مدرسہ آپ کے مکان میں قائم ہے۔ عورتوں کو

ان کے مکانوں سے لانے کے لئے سواری کا بھی انتظام آپ نے فرمایا
ہے۔ آپ کے اس کام کو دیکھکر بعض دیگر خواتین کو اس قسم کے مدرسے
قائم کرنیکا شوق ہوگیا ہے۔ مگر ابتدا کا سہرا بیگم بہادر خان کے سر ہے
اور پھر اپنے ٹھوس خدمات کی وجہ سے بھی اس مدرسہ کو تفوق حاصل
ہے۔

(۱۴)

مسز رستم جنگ

حیدرآباد کی تاریخ میں مسٹر فریدوں جی المخاطب نواب فریدوں الملک کا نام ممتاز حیثیت رکھتا ہے، آپ تحصیلداری سے ترقی کرتے ہوئے صدارت اعظمی کے منصب جلیلہ پر پہونچکر نیک نامی کے ساتھ وظیفہ حاصل کیا اور بعد وظیفہ انتقال ہوا۔ نواب فریدوں الملک کے فرزند رستم جنگ بہادر ہیں۔ جو برٹش انڈیا کی اعلیٰ خدمت کے بعد سرکار عالی میں ناظم کروڑگیری کی خدمت پر مامور ہوئے تھے۔

اگرچہ مسز رستم جنگ کا وطن حیدرآباد نہیں ہے۔ مگر آپ نواب رستم جنگ کے ساتھ حیدرآباد میں متوطن ہوگئی ہیں۔

مسز رستم جنگ کو ہندوستانی عورتوں کی ترقی سے پوری دلچسپی ہے آل انڈیا ویمین کانفرنس کی صدارت فرماچکی ہیں۔ حیدرآباد میں

عورتوں کی ترقی اور اصلاح کے متعلق جس قدر انجمنیں قائم ہیں ان میں سے اکثر میں آپ کا عملی حصہ ہوتا ہے آپ کی انگریزی تقریر فصیح و بلیغ ہونے کے علاوہ دلچسپ ہوتی ہے۔ مسز رستم جنگ کے سوشل خدمات بھی قابل تذکرہ ہیں۔ آپ نے سوشل خدمات کے لئے ایک انجمن بھی قائم تھی اس کا افتتاحی جلسہ بڑی دھوم دھام سے ہوا تھا۔

بہار کے زلزلے کے موقع پر آپ نے مصیبت زدگان کی امداد کیلئے چندہ جمع کرکے کثیر رقم روانہ کی ہے۔

آپ کے ان ہی خدمات کے مدنظر برٹش گورنمنٹ سے آپ کو طلائی تمغہ بھی ملا ہے۔

(۱۵)

مسز نندی

ڈاکٹر جارج نندی بنگال کے رہنے والے تھے۔ ڈاکٹر اگھور ناتھ
چٹوپادیا کے ساتھ حیدرآباد آئے اور سرکاری وظیفہ سے یورپ گئے بعد
ایسی سرکار عالی کے مختلف سررشتوں میں مامور ہوئے تعلقداری ڈپٹی
شنری وغیرہ کے بعد انسپکٹر ول رجسٹریشن مقرر ہوئے۔ اسی خدمت سے
ظیفہ ہوا۔ اور بعد وظیفہ حیدرآباد میں انتقال ہوا۔

مسز نندی آپ کی شریک زندگی پنجاب کی رہنے والی ہیں مگر
اکٹر صاحب کے شادی کے بعد حیدرآباد ہی میں رہ گئی وطن فراموش ہوگیا
آپ کو سوشل خدمات سے ہمیشہ دلچسپی اور دل بستگی رہی طغیانی
رود موسیٰ حیدرآباد کے پہلا طاعون انفلوئنزا کے موقع پر آپ نے انسانی
ہمدردی اور عورتوں کی شفقت کا بڑی اچھی طرح مظاہرہ کیا۔

جارج نندی جب وائی ایم سی اے کے صدر رہے تو مسز نندی

ان کے ساتھ اس ایسوسی ایشن میں عملی حصہ لیتی رہیں اور جس وقت اس ایسوسی ایشن کے تحت ایک سوشل سروس لیگ قائم ہوی تو عرصہ تک مسز نندی نے نائب صدر اور پھر صدر کی حیثیت سے بڑا کام کیا ہے انفلوئنزا کے وقت نو دواخانہ آپ کی نگرانی میں تھے۔ پہلے طاعون کے موقعہ پر آپ نے غربا کے لئے اپنے مکان کے وسیع احاطہ میں کیمپ قائم کر دیا اور لوگوں کی خبرگیری کرتی رہیں۔

گزشتہ جنگ عظیم کے زمانہ میں سکندرآباد میں جب جنگ کے مجروحین زیر علاج تھے تو آپ نے ان کی بھی خدمت فرمائی تھی۔

مرکز بہبودی اطفال میں بھی آپ نے حصہ لیا ہے اور بڑی محنت اور دلچسپی سے کام کیا ہے۔

کوئیٹہ اور بہار کے زلزلہ کے موقعہ پر مسز نندی نے بھی فراہمی چندہ کا کام نہایت دل دہی اور محنت سے کیا اور کثیر رقم فراہم کی۔

بہر حال مسز نندی کے سوشل خدمات حیدرآباد میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں آپ کو اردو سے بھی دلچسپی ہے کئی چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھی ہیں مگر افسوس کہ اس کی طباعت نہیں ہوی۔

آپ کی بڑی لڑکی مدراس میں اپنے شوہر کے ساتھ مقیم ہے باقی لڑکیوں کو حیدرآباد میں ملازمت سے تعلق رہا۔ ان تینوں لڑکیوں نے یورپ سے ڈگریاں حاصل کیں۔ سررشتہ تعلیمات میں ملازم ہوئیں مگر افسوس ہے کہ ان میں سے ایک نوجوان اور قابل دختر مس جیسی نے نوجوانی میں آپ کو داغ مفارقت دے گئیں۔

(۱۶)

مسز زین یار جنگ

لولو رقیہ بیگم یعنی مسز زین یار جنگ بہادر کے والد سید علی بلگرامی تھے۔ رقیہ بیگم کی پیدائش حیدرآباد میں ۱۸۹۵ء م ۱۳۰۴ف میں ہوئی حیدرآباد میں تعلیم ہوئی شادی کے بعد آپ کو تعلیمی شوق انگلستان لے گیا وہاں مدینۃ العلوم آکسفورڈ سے بی اے کی ڈگری حاصل کی واپسی کے بعد کلیہ اناث میں تاریخ کی پروفیسر ہوئیں۔ ڈاکٹر آمنہ پوپ کے وظیفہ پر سبکدوش ہونے پر رقیہ بیگم کو اسی جگہ پر پرنسپل بنایا گیا چنانچہ گزشتہ تین سال سے آپ اس خدمت کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے رہی ہیں۔

بچوں کے ادبیات سے آپ کو خاص دلچسپی ہے۔ چنانچہ ادارہ ادبیات اردو کے شعبہ اطفال کی آپ صدر ہیں اس کی جانب سے کئی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔

کلیہ اناث میں اس وقت ڈھائی سو سے زیادہ طالبات زیر تعلیم ہیں

اور ایف اے و ایف ایس سی سے لیکر ایم اے اور بی ایس سی تک تعلیم ہوتی
ہے اور کالج کے ساتھ ایک دارالاقامہ بھی قائم ہے ان سب کا انتظام کرنا
کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بیگم زین یار جنگ اپنے فرائض کو انجام دینے
اچھا سلیقہ رکھتی ہیں۔

اور آپ کو دست کاری اور گھریلو صنعت میں بھی پوری مہارت
ہے۔ چنانچہ سالگرہ خسروی کے موقع پر جو نمائش مصنوعات ملکی قائم ہوا
کرتی تھی اس میں آپ کو دست کاری کے انعامات بھی ملے ہیں۔

(۱۷)

معصومہ بیگم

ڈاکٹر خدیو جنگ مرحوم کی بڑی دختر نواب عماد الملک کی نواسی
معصومہ بیگم ایک صاحب علم خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لئے بچپن
علمی ماحول میں پرورش ہوئی اور پھر شادی کے بعد بھی علم دوست اہلیہ
گی کے طفیل علمی زندگی بسر کرتی ہیں۔ آپ کو نہ صرف علم و فن سے
تعلق ہے بلکہ خواتین کی ہر جہتی ترقی سے بھی پوری دلچسپی ہے۔ یہ شوق
آپ کو اپنی والدہ طیبہ بیگم مرحومہ سے ورثہ میں ملا ہے سنہ ۱۹۰۱ء میں معصومہ بیگم
ولادت حیدرآباد میں ہوئی۔ محبوبیہ گرلز اسکول میں تعلیم ہوئی۔ مطالعہ
شوق سے معلومات میں وسعت پیدا کی فارسی انگریزی اور اردو میں
اچھی قابلیت ہے۔

معصومہ بیگم کئی علمی اور معاشرتی انجمنوں میں شریک ہیں بعض انجمنوں
صدر اور بعض کی سکریٹری ہیں۔ اور اپنے فرائض کو با احسن وجوہ انجام دیتی
ہیں۔ زنانہ کانفرنسوں اور علمی انجمنوں میں آپ کی اردو اور انگریزی تقریریں

موثر اور پر از معلومات ہوتی ہیں ۔ شاید ہی کوئی حیدرآباد کی زنانہ علمی معاشرتی کانفرنس ہوگی جس میں آپ کا حصہ نہ ہو۔

رسالہ سب رس میں معصومہ بیگم کے مضامین بھی شائع ہوتے ہیں جو اسلوب بیان جدت سادگی اور دلچسپی کے لحاظ سے قابل قدر ہوتے ہیں۔

حسین علی مرزا صاحب نائب صدر کلیہ عثمانیہ آپ کے شریک زندگی ہیں ۔

---

(۱۸)

نورالنساء بیگم (مسز عثمان)

نورالنساء بیگم بی اے پرنسپل زنانہ نامپلی ہائی اسکول کے والد مولوی عبدالحفیظ صاحب اصلاً جنوبی ہند کے رہنے والے ہیں۔ سرکار انگریزی کے وظیفہ کے بعد حیدرآباد آکر بود و باش کرلی۔ سنہ ۱۹۰۹ء م سنہ ۱۳۱۹ف میں نورالنساء بیگم کی پیدائش حیدرآباد ہی میں ہوئی۔ اولاً خانگی طور پر تعلیم ہوئی امتحان مڈل اسی وقت کامیاب ہوئیں جبکہ حیدرآباد سے صرف ایک دو لڑکیاں اس امتحان میں شریک ہوا کرتی تھیں۔ اس کے بعد آپ لکھنؤ گئیں اور وہاں ایزابلا تھوبرن کالج میں شریک ہوگئیں سنہ ۱۹۲۲ء میں بی اے کی ڈگری اعزاز کے ساتھ حاصل کی۔ آپ حیدرآباد کی پہلی مسلم خاتون تھیں جنھوں نے اعزاز کے ساتھ بی اے میں کامیابی حاصل کی۔

نورالنساء بیگم کے مقالہ کا مضمون "ٹامس ہارڈی بحیثیت ناول نگار" تھا اس کے صلہ میں آپ کو عماد الملک کا طلائی تمغہ ملا، یہ تمغہ اس کے پہلے

کسی مسلم خاتون کو نہیں ملا تھا۔ ہمیشہ اینگلو انڈین وغیرہ خواتین اس منصب کو حاصل کرتی تھیں۔ انگریزی مضمون نگاری کی آپ کو کافی مشق تھی آپ کے مضامین وسعت معلومات اور ادبی حیثیت سے قابل تعریف ہوتے تھے اور قدر کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

نواب مسعود جنگ ناظم تعلیمات کے دور نظامت میں نورالنساء بیگم کا تقرر محبوبیہ گرلز اسکول میں ہوا۔ سات سال تک آپ نہایت عمدگی سے اپنے فرائض کو انجام دیں اس کے بعد جب کلیہ اناث قائم ہوا تو بحیثیت مددگار پروفیسر آپ کا تقرر ہوا۔ تاریخ اسلام، تاریخ انگلستان، اخلاقیات کی تعلیم آپ کے ذمہ کی گئی۔ ان اہم مضامین کی آپ نے ایسی اچھی تعلیم دی کہ کئی طالبات نے ان مضامین کو لے کر اعلیٰ نمبرات کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔ چند سال کے بعد اورنگ آباد کے مڈل اسکول پر نورالنساء بیگم کا تبادلہ اس لئے کیا گیا کہ مدرسہ وسطانیہ کو ہائی اسکول کا درجہ دینے کے لئے مدرسہ کو ترقی دی جائے، چنانچہ آپ کی کوشش اور جانفشانی کے باعث ایک سال کے ہی عرصہ میں اسکول کو ہائی اسکول بنا دیا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد مہتمم مدارس نسواں کی تین جائدادیں قائم ہوئیں۔ نورالنساء بیگم کو صوبہ اورنگ آباد کی مہتممی پر مامور کیا گیا۔ صوبہ اورنگ میں تعلیم نسواں کا ذوق پیدا کرنے اور اس ذوق و شوق کو جاری رکھنے کے لئے ہمت افزائی کرنے اور آسانیاں بہم پہونچانے کا سہرا آپ کے سر ہے گا۔ نورالنساء بیگم نے اس صوبہ میں اردو کی ترویج اور اس کو مقبول بنانے میں بڑی سعی اور جدوجہد کی ہے

جب حیدرآباد کے مشہور زنانہ ہائی اسکول نامپلی کی صدارت خالی ہوئی تو نورالنساء بیگم کے عمدہ خدمات کے مدنظر آپ کا انتخاب ہوا۔ چنانچہ سنہ ۱۹۴۲ء میں اس خدمت پر آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ یہ مدرسہ سنہ ۱۸۹۰ء میں قائم ہوا تھا۔ اور اب تک کسی حیدرآبادی یا مسلم خاتون کو اس کی صدارت کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ نورالنساء بیگم پہلی حیدرآبادی اور مسلم خاتون ہیں۔ جن کو یہ اہم خدمت دی گئی ہے۔ توقع ہے کہ آپ کے زمانہ میں مدرسہ کو اور زیادہ ترقی اور مقبولیت حاصل ہوگی۔

نورالنساء بیگم کے شریک زندگی محمد عثمان صاحب ایم اے ہیں جو چادرگھاٹ انٹرمیڈیٹ کالج کے پرنسپل ہیں۔

(۱۹)
سکینہ بیگم

ڈاکٹر خدیو جنگ کی دوسری صاحبزادی سکینہ بیگم کا تذکرہ بھی اس موقع پر ضروری ہے۔ سکینہ بیگم کی ولادت ۱۹۰۲ء میں حیدرآباد میں ہوئی۔ محبوبیہ گرلز اسکول میں تعلیم ہوئی۔ سینئر کیمبرج کا امتحان اعزاز کے ساتھ کامیاب کیا اسکول کے ممتاز ترین طالبات میں آپ کا شمار ہوتا ہے

سکینہ بیگم کا سلسلہ پدری اور مادری دونوں علم و فضل کے لحاظ سے شہرت رکھتا ہے۔ اس طرح بچپن سے علمی ماحول میں آپ کی پرورش ہوئی انگریزی، فارسی اور اردو میں اچھی مہارت حاصل ہے۔ اردو اور انگریزی میں مضمون نویسی بھی کرتی ہیں، خطوط نویسی کا بھی خاصہ ملکہ ہے۔ آپ کے مضامین اور خطوط سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ مغربی تعلیم کی آزاد خیالی کے ساتھ آپ کو مشرقی اخلاق، مشرقی روایات اور مشرقی طرز معاشرت سے کسقدر انسیت اور گرویدگی ہے آپ دونوں تمدنوں کے اچھے امور پر کاربند ہونا پسند کرتی ہیں۔

سکینہ بیگم کو شاعری سے بھی دلچسپی ہے۔ سکینہ تخلص کرتی ہیں۔
سید علی حیدر طباطبائی مرحوم سے آپ کو تلمذ حاصل تھا۔

ادارہ ادبیات اردو کی شعبہ نسواں کی آپ معتمد ہیں۔ اور
رسالہ سب رس کی مجلس ادارت کی ایک ممتاز رکن بھی۔ یہ رکنیت صرف
نام کی نہیں ہے۔ بلکہ سکینہ بیگم کا عملی حصہ ہوتا ہے۔ چنانچہ رسالہ میں جس جا
قدر فسانے شائع ہوتے ہیں وہ آپ ہی کے انتخاب کردہ ہوتے ہیں۔ ہدیہ
ادب جو عریانی کے نام سے بدنام ہے۔ رسالہ سب رس میں آپ ہی
کی وجہ سے شائع نہیں ہو سکتا۔ ادارہ ادبیات اردو کی مشہور کتاب
"نادر دکن" کو آپ ہی نے مرتب کیا ہے اس طرح علمی حیثیت سے
سکینہ بیگم اچھی شہرت رکھتی ہیں۔

علمی خدمات کی طرح جب ہم آپ کی معاشرتی اور سماجی خدمات
پر نظر کرتے ہیں۔ تو ہمیں معترف ہونا پڑتا ہے کہ اس میدان میں بھی
آپ نے کافی نقش ثبت کئے ہیں۔ ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے
البتہ مختصر طور پر ان کی صراحت کر دی جاتی ہے۔

جس وقت جاگیردار کالج سے آپ کے شوہر سید رحمت اللہ
صاحب قادری کا تعلق تھا تو آپ نے اس کالج کے ملازمین کی عورتوں
کو جن میں اکثر پردہ نشین تھیں، تعلیم دینے اور دستکاری سکھانے کے
لئے ایک مدرسہ قائم کیا تھا اور اپنی ذات سے روزانہ چار گھنٹے مصروف
رہا کرتی تھیں۔ اگرچہ یہ مدرسہ اب قائم نہیں ہے لیکن جو دستکاری

کی تعلیم دی گئی تھی اس سے اب بھی استفادہ کیا جا رہا ہے ادارہ ادبیات اردو کی جانب سے تعلیم بالغان کے سلسلہ میں آپ پوری طرح متوجہ ہیں اور ادارہ کے امتحانات وغیرہ کے موقع پر ہمہ تن مصروف رہا کرتی ہیں۔

تربیت اطفال کا بھی آپ کو خاص ملکہ حاصل ہے۔ مرکز تربیت اطفال اور گرل گائیڈ میں آپ کا بڑا حصہ ہے۔ ایک عرصہ تک گرل گائیڈ کی آپ "کمشنر" رہی ہیں اور اس خدمت کو با احسن وجوہ انجام دیا ہے۔ بہ سلسلہ جنگ جو کارہائے خیر وغیرہ شہزادی صاحبہ کی سرپرستی میں انجام دئیے جا رہے ہیں۔ ان میں بھی سکینہ بیگم شریک ہیں اور پورا حصہ لیا کرتی ہیں۔ نسوانی کانفرنسوں، کلبوں، انجمنوں میں آپ کی شرکت صرف برائے نام نہیں ہوتی۔ بلکہ عملی کام کرتی ہیں۔ دواخانہ عثمانیہ کے نگران کار غیر سرکاری جماعت میں آپ کو بھی منتخب کیا گیا ہے اور آپ ہمیشہ دواخانہ اور مریضوں کے دیکھ بھال میں پوری دلچسپی لیتی ہیں۔ بہر حال سکینہ بیگم کے علمی خدمات کی طرح معاشرتی اور سماجی کارنامے بھی تابناک ہیں۔

سکینہ بیگم کے علمی اور سماجی خدمات کے علاوہ بعض دیگر امور کا تذکرہ بھی نہایت ضروری ہے۔ مثلاً آپ کو فنون لطیفہ کے دوسرے شعبوں مصوری اور موسیقی میں بھی مہارت حاصل ہے۔ آپ کی مصوری کے کچھ نمونے پسندیدہ نظروں سے دیکھے جاتے ہیں، دستکاری سائنس کے جملہ شعبوں میں آپ کو دسترس رہا ہے۔

تربیت اطفال، پکوان، باغبانی، سلیقہ شعاری، دست کاری وغیرہ میں آپ بڑی اچھی مہارت رکھتی ہیں۔ اس کی تفصیل صراحت ہماری کتاب "خواتین عہد عثمانی" میں موجود ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سکینہ بیگم، اپنے والدہ مرحومہ طیبہ بیگم کے نقش قدم پر کام کررہی ہیں۔ اور ان ہی کی طرح علمی، معاشرتی اور سماجی خدمات میں مصروف و منہمک رہا کرتی ہیں۔

---

(۲۰)

جہاں بانو بیگم

اردو کی علمی دنیا میں ج نقوی یا جہاں بانو بیگم ایم اے (عثمانیہ)
کا نام اچھی طرح روشناس ہے۔ جہاں بانو بیگم کے والد ابو رضا مرحوم
ناظم فوجداری تھے۔ مولوی ابو رضا ان لوگوں میں شامل تھے۔ جو
نواب مختار الملک کے زمانہ میں یورپ کی تعلیم کے لئے انگلستان بھیجے گئے
تھے۔ مولوی ابو رضا کے والد مولوی دلیل الدین احترام جنگ مرحوم
صوبہ دار تھے۔ جہاں بانو بیگم کے نانا نواب دولت یار جنگ مشاہیر
ایران سے تھے۔ حیدرآباد ہی میں بھی اونھوں نے اچھا نام
پیدا کیا ناظم دار الضرب اور مرحوم اعلیحضرت کے اتالیق بھی تھے داستان
ترک تازان ہند“ ان کی فارسی تاریخ نہایت مشہور ہے۔ اس طرح
جہاں بانو بیگم ایک مشہور علمی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ حیدرآباد
میں ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئیں۔ نامپلی کے زنانہ ہائی اسکول میں تعلیم
ہوئی۔ شادی کے بعد بی اے کا امتحان جامعہ عثمانیہ سے پاس کیا

اس کے بعد علمی پیاس نے آپ کو علم کا اور گرویدہ کر دیا چنانچہ بی اے اور پھر ایم اے کے امتحان میں بھی جامعہ عثمانیہ سے کامیابی حاصل کی۔

سررشتہ تعلیمات میں ملازمت قبول کی مڈل اسکول کی صدارت کے بعد محبوبیہ اسکول میں منتقل ہو گئیں وہاں سے کلیہ اناث جامعہ عثمانیہ میں لکچراری پر ترقی ملی اس وقت اسی خدمت پر مامور ہیں اردو اور اخلاقیات کی تعلیم آپ سے متعلق ہے۔

اردو کی خدمت گزاری آپ کا محبوب مشغلہ ہے۔ شاعری اور نثر نگاری دونوں میں دخل ہے۔ اگرچہ نظم نگاری کی جانب زیادہ توجہ نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی جو کچھ موزوں کرتی ہیں وہ خوبیوں سے مملو ہوتا ہے۔ خیالات کی بلندی، اسلوب بیان کی جدت، زبان کی صفائی اور سادگی آپ کے کلام کے جوہر ہیں۔ نثر نگاری کی مختلف شاخیں جہاں بانو بیگم کی قلم کی جولانی گاہ بنی ہوئی ہیں، افسانہ نگاری ادب لطیف، تنقیدی مضامین۔ اخلاقی اور اصلاحی مضامین، ادبی مضامین، خطوط نویسی وغیرہ میں آپ کو بہت اچھا سلیقہ حاصل ہے انگریزی سے ترجمہ کی خاص مشق ہے۔ آپ ترجمہ کو اپنا لیا کرتی ہیں۔

خطوط نویسی میں جہاں بانو بیگم کا کوئی مد مقابل نظر نہیں آتا آپ کے خطوط رنگینی اور لطافت کے ساتھ اصلاحی پہلو لئے ہوئے ہیں اور پھر ان میں شوخی اور طنز کے ایسے نشتر پوشیدہ ہوتے ہیں جو دل کی گہرائی تک پہونچ جاتے ہیں۔

جہاں بانو بیگم میں ایک خوبی یہ ہے کہ آپ قلم برداشتہ لکھا کرتی ہیں، کسی مضمون کے لئے سوچنے اور غور کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اب تک آپ کی حسب ذیل کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

(۱) رموزِ خانہ داری

(۲) رفتارِ خیال

(۳) محمد حسین آزاد

(۴) بربطِ ناہید

(۵) عرب اور عربستان

ان کے علاوہ "نذرِ دلی" میں آپ کا قابلِ قدر مقالہ "دلی کا فنِ شاعری" شامل ہے۔ ان کتابوں کے متعلق ہندوستان کے مشہور رسالوں نے بہترین آراء کا اظہار کیا ہے۔

ادارہ ادبیاتِ اردو کے شعبہ نسواں کی آپ رکن ہیں، اور اپنے مفوضہ خدمات کو خوش اسلوبی سے انجام دیتی ہیں۔

نشرگاہ حیدرآباد سے آپ کی تقریریں اکثر نشر ہوتی ہیں جو بوجہ معلومات، خیالات کی بلندی اور اسلوبِ بیان کی صفائی اور پاکیزگی کے باعث پسند کی جاتی ہیں اور دلچسپی سے سنی جاتی ہیں۔

علمی انجمنوں اور کانفرنسوں وغیرہ میں بھی جہاں بانو بیگم کی تقریریں پسند کی جاتی ہیں۔ غرض کہ جہاں بانو بیگم علمی دنیا میں خاص شہرت کی مالک ہیں اور اپنے علمی معلومات سے دوسروں کو مستفید کرنے میں

پس وپیش نہیں کرتیں۔ مزید تعلیم کے لئے آپ انگلستان بھی تشریف لے
گئیں تھیں مگر آب وہوا کی ناموافقت کے باعث وہاں قیام نہ ہوسکا
جہاں بانو بیگم مشرقی تہذیب اور روایات پر سختی سے کاربند
ہیں اور اس کو ہندوستانی عورت کے لئے مفید خیال کرتی ہیں

(۲۱)

بشیر النساء بیگم

حیدرآباد کی مشہور شاعرہ بشیر النساء بیگم، بشیر حیدرآباد کی رہنے والی ہیں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ تعلیم خانگی طور پر گھر میں ہوئی۔ اردو فارسی کی اچھی مہارت حاصل ہے۔

بشیر کو شعر گوئی کا شوق بچپن سے ہے کسی سے تلمذ نہیں ہے آپ کے کلام کو دو اقسام پر تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک تو وہ نظمیں اور قصائد وغیرہ ہیں۔ جو حیدرآباد کے زنانہ علمی معاشی جلسوں کے لئے لکھے گئے اور گئے ہیں۔ دوسرا وہ کلام جو آپ طبیعت کی موزونی پر موزون کرتی ہیں ہر شخص لو موقتی جلسوں وغیرہ کے لئے نظمیں لکھنے کا سلیقہ نہیں ہوتا۔ مگر بشیر کے آورد میں بھی آمد کی شان ہوتی ہے۔ آپ کی اکثر نظمیں نہایت عمدہ اور لائق داد ہیں۔

بشیر النساء بیگم کا کلام لطافت اور پاکیزگی اسلوب بیان کی ندرت

خیالات کی بلند پروازی سے مزین ہوتا ہے، آپ کی شاعری میں تومیت اخلاق اور جدت پائی جاتی ہے۔ اور حیرت ہوتی ہے کہ آپ اقبال کے رنگ میں اس قدر کامیاب لکھ جاتی ہیں کہ اقبال کے کلام کا دھوکا ہونے لگتا ہے عنقریب آپ کے کلام کا مجموعہ شائع ہونے والا ہے۔

شاعری کے ساتھ ساتھ آپ کو نثر نویسی کی بھی کافی مشق ہے — سوتیلی ماں "عنقد رابعہ بیگم پر آپ نے جو پیش لفظ لکھا ہے وہ آپ کی نثر کا ایک اچھا نمونہ ہے۔

بشیر النساء بیگم کو شاعری کے ساتھ علمی کاموں سے بھی شغف ہے آپ ادارہ ادبیات اردو کے شعبہ نسوان کی شریک معتمد ہیں۔ اور اپنے مفوضہ فرائض کو پورے انہماک اور توجہ سے انجام دیتی ہیں۔

حیدرآباد کا شاید ہی کوئی زنانہ جلسہ اور کانفرنس ہوگی جس میں بشیر سے نظم خوانی کی استدعا نہ کی جاتی ہو۔ اور اکثر موقعوں پر آپ کی نظم خواتین کو متاثر کر دیتی ہیں۔

بشیر کو خوشنویسی میں بھی دخل ہے۔ وہ نہایت عمدہ خط اطہ میں۔ اس فن کو انہوں نے اپنے ماں سے حاصل کیا ہے وہ خطاطی میں بہت شہرت رکھتی تھیں سلیقہ شعاری اور امور خانہ کے انجام دہی میں آپ کو مہارت تامہ حاصل ہے،

(۴۲)

مس پدمجا نائیڈو

صفحات ماقبل میں مسز سروجنی نائیڈو کا تذکرہ ہو چکا ہے

مس پدمجا آپ کی بڑی دختر ہیں۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں، اور تعلیم خانگی طور پر گھر ہی میں ہوئی۔ چونکہ آپ بچپن سے دائم المرض تھیں اس لئے کسی اسکول یا کالج میں شریک ہو کر بہترین نصاب کی تکمیل نہ کر سکیں۔ آپ کی قابلیت، مطالعہ اور ماحول کا نتیجہ ہے "ادب" (لٹریچر) سے زیادہ دلچسپی ہے

مس پدمجا کو کسی قدر ہندوستانی زبان آتی ہے اور اسی طرح ہیں۔ وہ انگریزی زبان کی شاعرہ ہیں تو وہ اپنی والدہ شاعرہ کی طرح اچھی مشق حاصل ہے اگرچہ اب تک کوئی مجموعہ کلام شائع نہیں ہوا مگر خاصہ کلام جمع ہو چکا ہے۔ آپ کے کلام میں خیالات کی بلند پروازی اسلوب بیان کی ندرت اور جدت موجود ہے۔ کلام میں آمد کی شان ہے شاعری کے ساتھ مصوری اور موسیقی سے بھی دلچسپی ہے۔ اگرچہ آپ

مصور نہیں ہیں، مگر نقاد کی حیثیت سے نقاشی اور عکاسی کی جو تنقید فرماتی ہیں۔ وہ ایک ماہر فن سے کم نہیں ہوتی۔ موسیقی میں مغربی اور مشرقی دونوں طرز میں آپ کو مہارت حاصل ہے، مشرقی طرز ہندی اور اردو میں بہت خوب گاتی ہیں۔

آپ کو تقریر کرنے کا ملکہ بھی ہے۔ انگریزی اور اردو دونوں بانوں کی اچھی مقررہ ہیں۔ آپ کی تقریر تسلسل اور زود بیانی کے ساتھ دلچسپ ہوتی ہے۔ قومی اور ملکی کاموں میں اپنی ماں کے قدم بقدم ہیں۔

مس پدمجا کل ہند کانگریس کمیٹی کی رکن ہیں۔ اور کانگریس کے اصول پر کاربند ہیں۔ حیدرآباد کی شاخ کانگریس کی آپ صدر رہیں۔

غریبوں اور مزدوروں کی بھلائی اور انکی خدمت آپ کی زندگی کا مشغلہ ہے اسی وجہ سے آپ ہر قسم کے کاموں میں لبیک کہتی ہیں۔ جس میں غریبوں کی بھلائی مضمر ہوتی ہے۔ حیدرآباد کی تحفظ کمیٹی کی آپ روح رواں ہیں آپنے اس کمیٹی کے ذریعہ بہت کچھ کام کیا ہے۔

"انجمن انسداد تعلیت گرانی اجناس" کی آپ نائب صدر رہیں، انجمن کا دفتر آپ ہی کے مکان میں قائم ہے، اس طرح گویا آپ ہر وقت انجمن کے فرائض انجام دیا کرتی ہیں۔

مس پدمجا کے ان ہی خدمات کی مدنظر ان کو غریبوں اور مزدوروں کا لیڈر کہا جاسکتا ہے۔ اور پھر صرف نام کی لیڈر نہیں بلکہ ان کے دکھ سکھ میں شریک ہمدرد اور پرشفقت لیڈر کہلانا بجا ہے۔

(۴۳)

مس لیلامنی نائیڈو

مس لیلامنی، مسنر سروجنی نائیڈو کی دوسری دختر ہیں۔ ۱۹۰۳ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ محبوبیہ اسکول میں ابتدائی تعلیم ہوئی۔ اس کے بعد انگلستان گئیں اور آکسفورڈ سے بی۔اے آنرز کی ڈگری لی۔ یہاں آپ نے کئی انعامات حاصل کئے۔ چنانچہ بہترین نظم نگاری پر آپ کو ایک انعام ملا۔ انجمن مباحثہ میں آپ ہمیشہ پیش پیش رہیں۔ اور انعامات حاصل کئے کالج یونین کی آپ عرصہ تک جائنٹ سکرٹری رہیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے متحدہ طالبات کی مجلس کی آپ روح رواں تھیں۔ غرض کہ دوران تعلیم ہی میں آپ نے ایک ممتاز حیثیت حاصل کر لی تھی۔

۱۹۲۸ء میں آپ انگلستان سے واپس ہوئیں کچھ عرصہ کے بعد لاہور کے ایک کالج میں فلسفہ کی صدر مقرر ہوئیں۔ اس کے بعد ۱۹۲۶ء میں سر اکبر حیدری میں آپ کو "وفاق" کے سلسلہ میں اپنا پرائیوٹ سکرٹری بنایا۔

مس لیلا منی حیدرآباد کی پہلی خاتون ہیں جو طبابت اور تعلیمات کے سررشتہ
کے سوا دوسرے کام پر مامور ہوئیں۔ کیونکہ حیدرآباد میں کوئی عورت اس قسم
کے کسی عہدہ پر مامور نہیں ہوئی تھی۔ اس خدمت کے بعد آپ کو زنانہ
کالج میں لکچرری پر منتقل کیا گیا اور اب آپ اسی خدمت پر مامور ہیں

مس لیلا منی کو انگریزی ادب اور فلسفہ میں جو عبور اور دسترس حاصل ہے
اس کا مقابلہ بہ مشکل کیا جا سکتا ہے۔ انگریزی نظم نگاری اور نثر نگاری دونوں
میں خاصی مہارت ہے۔ آپ کی نظمیں اور مضامین خیالات کی بلندی،
وسعت معلومات، زبان کی حلاوت سے معمور ہوتے ہیں۔ ان کی دلکشی اور
دلچسپی بھی قابل قدر ہوتی ہے۔ مضمون نگاری کے ساتھ ساتھ آپ کو تقریر
کرنے کا بھی خاص سلیقہ حاصل ہے آپ کی تقریریں پُرزور، مدلل، دلچسپ اور روان ہوتی ہیں

نسوانی اصلاح اور ترقی کے لئے مس لیلا منی کی جدوجہد کی تفصیل
طویل صفحات کی متقاضی ہے۔ کئی انجمنوں اور اداروں کی سکریٹری اور نائب
صدر وغیرہ کی حیثیت سے آپ مصروف کار ہیں، علمی انجمنوں اور سوشل
کلبوں، رفاہی اور اصلاحی ادارہ کی آپ سرگرم کارکن ہوتی ہیں مثلاً
انجمن ترقی تعلیم و تمدن، مجلس دفاع شہری، انجمن اغذیہ، یونیورسٹی
ایسوسی ایشن وغیرہ بیسیوں اداروں کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ جن میں آپ
کا عملی حصہ ہوتا ہے۔ کوئٹہ اور بہار کے زلزلہ کے موقع پر چندہ جمع
کرنے کے لئے آپ نے بحیثیت سکریٹری کام کیا ہے۔

مس لیلا منی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کسی سے

مرغوب نہیں ہوتیں۔ جن انجمنوں اور اداروں میں آپ کام کرتی ہیں وہاں بلا خوف جرأت اور صداقت سے اظہار رائے کرتی ہیں۔ یہ آپ کی وہ صفت ہے جو دوسروں سے آپ کو ممتاز کرتی ہے۔ مس لیلا مینی کا نام ان کی جرأت، صداقت استقلال اور مستعدی کے لحاظ سے نمونہ اور مثال کے طور پر پیش ہو سکتا ہے۔

علیا حضرت شہزادی برار کے زیر سرپرستی اور زیر صدارت جس قدر ادارہ جات کام کر رہے ہیں ان میں سے اکثر اداروں کی آپ سکریٹری ہیں اور اپنے مفوضہ کام کو نہایت حسن وخوبی سے انجام دیا کرتی ہیں۔

(۴۴)

ڈاکٹر مسز مری کہندے

ڈاکٹر سوچترا بائی - (مسز مری کہندے) کے والد مسٹر رام راؤ کرمینگر کے باشندے تھے مسز مری کہندے کرمینگر میں تولد ہوئیں (سنہ ۱۹۰۳ء م سنہ ۱۳۱۲ف) ابتدائی تعلیم حیدرآباد میں ہوئی اس کے بعد بمبئی میڈیکل کالج سے ایم بی، بی ایس کی ڈگری حاصل کرکے ملازمت کے دائرے میں شامل ہوئیں۔ وکٹوریہ زنانہ دواخانہ میں سیول سرجن ہوئیں کچھ عرصہ کے بعد یورپ گئیں اور ڈی۔سی۔او جی ایم ایس ایے (لندن) کی ڈگریاں لیکر واپس ہوئی۔ واپسی کے بعد کچھ عرصہ بدستور اپنے فرائض کو انجام دیتی رہیں اس کے بعد سنہ ۱۹۳۸ء م سنہ ۱۳۴۷ف سے آپ کو اسی دواخانہ کی مہتممہ بنا دیا گیا ہے۔ آپ پہلی دیسی خاتون ہیں جو اس اہم خدمت پر مامور کی گئی ہیں چھ سال سے مسز مری کہندے اپنے فرائض بخوش اسلوبی سے انجام دے رہی ہیں۔

---

(۲۵)
ڈاکٹر صالحہ بیگم

ڈاکٹر صالحہ بیگم کے والد مولوی سید سجاد حسین صاحب معتمد عدالت وامور عامہ کے ایک کارگزار اور دیانت دار صیغہ دار تھے، صالحہ بیگم کی پیدائش حیدر آباد میں ۱۹۰۸ء م ۱۳۱۷ف میں ہوئی۔ نامپلی کے زنانہ اسکول میں آپ کی تعلیم ہوئی اور یہاں اسکول لیونگ سارٹیفکٹ میں کامیابی حاصل کی اس کے بعد دہلی جاکر لیڈی ہارڈنگ کالج میں شریک ہوئیں اور ایم بی بی ایس کی ڈگری لی۔ اور بعد کامیابی مزید تعلیم کے لئے انگلستان گئیں اور وہاں سے ایل، آر، سی، پی، ایم آر، سی، ایس کی ڈگریاں لیکر واپس ہوئیں آپ حیدر آباد کی پہلی مسلم خاتون ہیں جنہوں نے انگلستان سے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل فرمائی ہے۔

انگلستان سے واپسی کے بعد صالحہ بیگم کا تقرر زنانہ دواخانہ سرکار عالی میں سیول سرجن پر ہوا۔ اس دواخانہ میں شعبہ پیتھالوجی۔ (تشخیص امراض) آپ ہی کے باعث قائم ہوا۔

صالحہ بیگم کا زیادہ وقت دواخانہ میں بیماروں کی خبر گیری میں صرف ہوتا ہے۔ غریبوں اور کم استطاعت لوگوں کے ساتھ آپ کی ہمدردی اور فیاضی مشہور ہے۔

آپ خانگی طور پر بہت کم بیماروں کا علاج کرتی ہیں۔ مگر جہاں جاتی ہیں وہاں عموماً فیس نہیں لیتی۔ یہ آپ کی وہ صفت ہے جو آپ کو دوسروں پر ممتاز کرتی ہے۔ ڈاکٹر صالحہ بیگم ایک ہمدرد، ذی اخلاق و مروت، خاتون ہیں آپ کے ان اوصاف کا ہر کہ و مہ معترف ہے۔

(۲۶)

مسز جبار

مسز جبار کلکتہ کے ایک معزز یہودی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں
سنہ ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئیں کلکتہ ہی میں تعلیم و تربیت ہوئی (کلکتہ)
یونیورسٹی سے بی اے اور پھر بی ٹی میں کامیابی حاصل کی ختم تعلیم
کے بعد دہلی کے ایک زنانہ مدرسہ میں معلمہ کی حیثیت سے مامور ہوئیں،
سنہ ۱۹۲۵ء میں ڈاکٹر سید عبدالجبار نے آپ سے بیاہ کیا اور آپ حیدرآباد
آئیں کچھ عرصہ کے بعد نامپلی کے زنانہ مدرسہ میں انگریزی معلمہ کی حیثیت سے
مامور ہوئیں پھر زنانہ ٹریننگ اسکول کی صدارت پر آپ کا تقرر ہوا اس کے
چند سال بعد جب زنانہ سٹی ہائی اسکول قائم ہوا تو اس کی پرنسپلی پر مسز جبار
کو ترقی دی گئی اور اس وقت تک اسی خدمت پر مامور ہیں۔

مسز جبار ایک مستعد کارگزار ذی مروت و اخلاق خاتون ہیں
آپ سے نہ صرف طالبات خوش رہا کرتی ہیں بلکہ ماتحت معلمات سے
بھی آپ کا برتاؤ نہایت عمدہ ہوتا ہے، اگر آپ طالبات سے ایک

مہربان اور پرشفقت ماں کی طرح پیش آتی ہیں تو معاملات کے ساتھ مخلص دوست اور اچھی سہیلی کی طرح سلوک کرتی ہیں۔

اگرچہ اردو آپ کی مادری زبان نہیں تھی۔ حیدرآباد آنے کے بعد اردو کی مشق اور تعلیم شروع کی اور بہت جلد آپ نے سرکاری امتحان زبان دانی میں کامیابی حاصل کر لی اور اب آپ اچھی طرح اردو میں لکھ پڑھ سکتی ہیں۔

مسز جبار کو عورتوں کے سوشل خدمات سے پوری دلچسپی ہے عرصہ تک زنانہ ریکریشن کلب کی سکریٹری کے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیتی رہیں۔ دیگر نسوانی انجمنوں اور کانفرنسوں میں آپ کا حصہ ہوتا ہے۔ جو کام آپ کے تفویض کیا جاتا ہے۔ اس کو آپ پوری ذمہ داری سے انجام دینے کی کوشش کرتی ہیں۔

دستکاری موسیقی میں بھی دخل ہے۔ پیراکی میں بڑی اچھی مہارت رکھتی ہیں۔

(۴۷)
مسز بادشاہ بیگم صوفی

بادشاہ بیگم صوفی ایم اے۔ نواب محمد بہادر جنگ مرحوم کی دختر ہیں۔ سنہ ۱۹۰۱ء م سنہ ۱۳۰۹ف میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ نواب صاحب مرحوم عربی اور فارسی کے جید عالم تھے۔ اگرچہ خود انگریزی سے ناواقف تھے مگر اپنی اولاد کو انگریزی کی اعلیٰ تعلیم دلائی۔ چنانچہ بادشاہ بیگم نے اولاً مدراس یونیورسٹی سے ایف اے میں کامیابی حاصل کی اور پھر شادی اور اولاد کے بعد علیگڈھ سے بی اے اور ایم اے کی ڈگریاں لیں۔ آپ نے یورپ کی "تعلیمی سیاحت" بھی فرمائی ہے، سات ممالک کے تعلیمی اداروں اور طریقہ تعلیم کا معائنہ کیا ہے

بادشاہ بیگم تعلیم کے بعد محبوبیہ گرلز اسکول میں مامور ہوئیں، اور مس بیسی نندی کے انتقال پر ان کی جگہ مہتمم مدارس النسوان بلدہ وغیرہ پر آپ کا تقرر ہوا۔ اس کے پہلے آپ بیسی کی علالت کے سلسلہ میں اسس

خدمت پرینسپل پانچ سال کارگزار رہ چکی ہیں۔
علیا حضرت شہزادی درِّ شہوار دردانہ بیگم صاحبہ کو اُردو تعلیم دینے
کا اعزاز بھی آپ کو حاصل ہے۔
مسز صوفی کی علمی دلچسپی اور سماجی مصروفیت بھی قابلِ تذکرہ ہے
آپ نے تاریخ ہند کو فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ رسالہ سب رس وغیرہ
میں آپ کے مضامین شائع ہوتے ہیں، جو وسعت معلومات کے
صاف اور عام فہم ہوتے ہیں۔
بادشاہ بیگم صوفی ایک اچھی مقررہ ہیں آپ کی تقریریں سنجیدہ
اور متین ہوتی ہیں ان میں تسلسل اور ربط کے ساتھ دلچسپی پائی جاتی ہے
خیالات سلجھے ہوئے ہوتے ہیں نسوانی کانفرنسوں اور انجمنوں میں آپ
عملی حصہ لیا کرتی ہیں۔ انجمن حیات طیبہ کی آپ نائب صدر ہیں
صدر مجلس خواتین حیدرآباد کی آپ معتمدؔ نہیں بلکہ روحِ رواں
ہیں۔ اس مجلس کا تذکرہ صفحات ماقبل میں ہو چکا ہے۔ مسلم خواتین
کو عربی زبان سے واقف کرانے کا جو کام اس انجمن نے سرِدست اختیار
کیا ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔
مسز صوفی کو ملازمت کے سلسلہ میں اضلاع کا دورہ کرنا ہوتا ہے
آپ ان مقامات میں بھی عورتوں کی تعلیمی اور معاشرتی ترقی میں پوری
دلچسپی لیتی ہیں اور اپنی ہمدردی اور امداد سے دریغ نہیں فرماتیں

(۳۸)

مسز طیبہ باقر علیخاں

صفحات ماقبل میں بہ ضمن صغرا بیگم ہمایوں مرزا و ڈاکٹر صفدر علی مرزا کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ مسز طیبہ بیگم ڈاکٹر صفدر علی مرزا کی پوتی ہیں۔ آپ کے والد میجر محمد علی مرزا تھے۔ جو گزشتہ جنگ عظیم کے موقع پر شہید ہوئے۔

طیبہ بیگم کی پیدائش حیدرآباد میں سنہ ۱۹۱۱ء م سنہ ۱۳۲۰ف میں ہوئی۔ چھ سال کے سن میں آپ کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ نو سال کی عمر تک آپ کی تعلیم گھر پہ ہوئی جو تدریجی اردو اور انگریزی پر مشتمل تھی۔ اس کے بعد محبوبیہ گرلز اسکول میں شریک ہوئیں اور سینیر کیمبرج میں کامیابی حاصل کی۔ خصوصیت سے ڈومسٹک سائنس، مصوری اور موسیقی میں امتیازات حاصل کئے۔ مصوری میں رائل کالج لندن اور موسیقی میں ٹرینٹی کالج (لندن) کے اسناد حاصل کئے۔ اس کے علاوہ کھلونہ سازی رفیہ ورک وغیرہ میں مہارت حاصل کی۔ محبوبیہ اسکول کی آرٹ ٹیچر مس لود سے انگریزی

سخت وغیرہ و دیگر انگریزی دستکاریاں سکیں تو اس کے معاوضہ میں طیبہ بیگم نے انکو مخلائی پکوان اور مشرقی موسیقی سکھلائی ۔

سنہ ۱۹۲۳ء میں طیبہ بیگم کی شادی ہوئی۔ حیدرآباد میں عموماً اعلیٰ خاندان اور صاحب ثروت گھرانوں کی عورتیں ملازمت کو معیوب تصور کرتی تھیں، اس خیال کو ترک کرنے کے لئے آپ نے پیش قدمی کی اور اپنے شوہر میر باقر علی صاحب کے اچھی خدمت پر مامور رہنے کے باوجود آپ نے انجمن امداد باہمی کی ملازمت قبول کی اور "ناشرہ" کی حیثیت سے امداد باہمی کی اچھی تشہیر فرمائی آپ کی کوشش سے کئی انجمنیں قائم ہوئیں ان میں سے ایک انجمن کفایت شعاری نسوان ہے۔ جس نے چار سال کے عرصہ میں پینتیس ۳۵ ہزار کا سرمایہ جمع کرلیا تھا۔

سنہ ۱۳۴۹ف میں جب سرکار عالی کے سررشتہ تعلیم صنعت و حرفت کی جانب سے مدرسہ صنعتی نسوان قائم ہوا تو اس کی مہتممی کے لئے طیبہ بیگم کا انتخاب عمل میں آیا۔ چنانچہ سنہ ۱۳۴۹ف سے آپ اس مدرسہ کی مہتممی پر مامور ہیں اس کے علاوہ کئی صنعتی مدارس کی نگرانی بھی آپ کے ذمہ ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ جب کسی چیز کی ابتداء ہوتی ہے۔ یا کوئی جدید ادارہ قائم کیا جاتا ہے تو اس کے لئے مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اس کے لئے نہایت مستعدی اور توجہ جانفشانی کی ضرورت ہوتی ہے مگر طیبہ بیگم نے اس جدید صنعتی ادارہ کو جس طرح ترقی دی ہے وہ حیدرآباد کے لئے ایک عمدہ نظیر ہے۔ اس مدرسہ کی مقبولیت دن بدن

زیادہ سے زیادہ ہوتی جارہی ہے مدرسہ میں مختصر تعلیم کے بعد مختلف دست کاریوں اور ڈومسٹک سائنس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ قلیل عرصہ میں اس مدرسہ کی طالبات نے جو ترقی کی ہے اس کو محض طیبہ بیگم کی ذاتی دلچسپی، محنت، شوق اور انہماک کا نتیجہ کہا جاسکتا ہے۔

طیبہ بیگم کو اب بھی مدرسہ کی مصروفیت، اپنے خانہ داری کے مشاغل اور دیگر مصروفیتوں کے ساتھ نئی نئی صنعتوں اور دست کاریوں کے سیکھنے کا بڑا شوق ہے چنانچہ حال ہی میں چمڑے پر گل بوٹے کرنے کا کام سیکھا ہے اور اب مدرسہ میں اس کی تعلیم دے رہی ہیں۔

طیبہ بیگم نے اپنی ملازمت کی جو نظیر قائم کی ہے اس کا بھی اب اچھا اثر ہو رہا ہے۔ اعلیٰ خاندان اور عہدہ داروں کی بی بیاں ملازمت اختیار کرنے لگی ہیں۔

مسز باقر علی خاں نہ صرف مدرسہ صنعتی کے باعث قابل تذکرہ ہیں بلکہ ایک اچھی مصورہ، بہترین دست کار، ماہر ڈومسٹک سائنس کے ساتھ ساتھ آپ کو نسوانی ترقی کے اداروں سے بھی دلچسپی ہے۔ کئی انجمنوں اور اداروں میں شریک ہیں۔ اور عملی کام کرتی ہیں۔ ان کی تفصیلی صراحت بخوف طوالت نظر انداز کی جاتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حیدرآبادی عورتوں میں دست کاری کا شوق پیدا کرنے اور اپنے قوت بازو سے کمانے کا سلیقہ پیدا کرنے میں طیبہ بیگم کی کوشش کامیاب ثابت ہوتی ہے۔

(۲۹)

بیگم امیر حسن

مولوی امیر حسن مرحوم، نواب محسن الملک کے بھائی تھے، عرصہ دراز تک بااول تعلقداری کی خدمت کو انجام دیکر وظیفہ حسن خدمت حاصل کیا اور نیک نامی کے ساتھ رحلت فرمائی۔

بیگم امیر حسن کے والد مولوی زین العابدین شیرازی تھے جو مہتمم دار الطبع کی حیثیت سے سرکار عالی کی ملازمت میں منسلک رہے۔ بیگم امیر حسن کی پیدائش حیدرآباد میں سنہ [illegible]ء میں ہوئی اُس زمانہ کے رواج کے مطابق گھر پر تعلیم ہوئی، عربی، فارسی، اردو میں آپ بہت اچھی مہارت رکھتی ہیں، خصوصیت سے قرآن شریف سے زیادہ شغف ہے۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں آپ کی شادی ہوئی۔

سیاست ہندوستان اور عورتوں کی اصلاح اور ترقی سے بیگم امیر حسن کو خاص دلچسپی ہے آل انڈیا کانگریس میں آپ نے عملی حصہ لیا ہے۔ آپ ایک

اچھی مقررہ ہیں نہ صرف حیدرآباد کے زنانہ جلسوں میں بلکہ حیدرآباد کے باہر کی کانفرنسوں میں بھی آپ کی پراثر تقریر جوش پیدا کر دیتی ہے۔

بیگم امیر حسن کا نصب العین یہ ہے کہ آپس کی نااتفاقی چھوڑ دی جائے، ہندو، مسلم، سنی، شیعہ باہم متحد و متفق ہو جائیں۔ اس کا آپ پرچار اپنی زبان اور عمل سے کرتی ہیں۔ باہمی فسادات، مخالفت لڑائی جھگڑوں سے آپ کا دل بہت متاثر ہوتا ہے اور اس کو قوم کی تباہی اور بربادی تصور کرتی ہیں۔

اپنے مکان جوبلی ہل (بنجارہ ہل) پر آپ نے ایک مدرسہ نسوانی بھی قائم کیا تھا اور بنجارہ لڑکیوں اور عورتوں کو دستکاری اور ابتدائی تعلیم دیا کرتی تھیں۔ بعض بنجارہ عورتوں نے دستکاری میں بڑی اچھی مہارت پیدا کر لی۔ ساڑی کے کور، میز پوش، صافی وغیرہ بیسیوں چیزیں سلیقہ اور صفائی سے بنانے لگی ہیں۔ اور بعض دوسری خواتین نے بنجارہ صنعت بھی حاصل کی۔ یعنی لباس پر نقش و نگاری بنانے کا طریقہ سیکھ لیا ہے اور اسی مدرسہ صنعتی میں اس کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

(۳۰)

مس ایڈلا ڈلامہ

مس ڈلامہ حیدرآباد کی ایک برہمن گھرانے میں پیدا ہوئیں بچپن میں عیسائی مذہب اختیار کرلیا۔ اسٹنلی گرل اسکول میں تعلیم ہوئی مدراس یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کی اس کے بعد امریکہ گئیں اور وہاں سے ایم اے کی ڈگری لے کر سنہ ۱۹۳۰ء میں حیدرآباد واپس ہوگئیں۔ واپسی کے بعد اسٹنلی گرل اسکول میں وائس پرنسپل کی خدمت پر مامور ہوئیں اس کے چھ سال کے بعد اسی مدرسہ کی پرنسپل ہوگئیں اور اب تک اسی خدمت پر مامور رہیں۔

مس ڈلامہ کے عمدہ انتظامات اور عمدہ تعلیم کا نتیجہ ہے کہ اسٹنلی گرل اسکول کا نتیجہ امتحان ہمیشہ شاندار ہوتا ہے۔ اب تک کئی لڑکیوں نے اسکول فائنل میں اول آکر سرکار عالی کا وظیفہ یادگار گوکھلے حاصل کیا ہے

سوقت تقریبًا ایکہزار طالبات اس مدرسہ میں تعلیم پاتی ہیں
اسٹنلی گرل اسکول کے متعلق ایک بورڈنگ بھی ہے اس کی نگرانی بی مس طولامہ کے سپرد ہے۔ آپ اپنی خوش اخلاقی، محنت جفاکشی کے باعث مشہور رہیں۔

سکندرآباد میں مسٹر پال کے ساتھ آپ نے سوشل خدمات بھی انجام دیئے ہیں۔ سکندرآباد کے بیت المعذورین کے انتظام اور اس کا چندہ جمع کیا ہے۔

انجمن "صلیب احمر" کے سلسلہ میں بھی آپ کے خدمات پسندیدہ طور سے دیکھے جاتے ہیں۔

(۳۱)

مسز پلے

مسز پلے کا وطن مدراس ہے شادی کی وجہ سے اپنے شوہر راجہ
وینو گوپال ناظم دارالطبع کے ساتھ حیدرآباد آئیں اور اس کو وطن بنا لیا۔ آپ
کے والد کرکٹ کے مشہور پلیر پی جی رام تھے۔

مسز پلے کو مصوری میں دخل ہے۔ ان کے بنائے ہوئے کئی مرقع پسند
کئے گئے ہیں مصوری کے ساتھ فنون لطیفہ کی دوسری شاخ موسیقی میں بھی کمال
حاصل ہے بٹلر میٹی کالج سے موسیقی کی سند حاصل کی ہے۔ حیدرآباد میں کرناٹکی
موسیقی کو رواج دینے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے موسیقی کے ساز دنیا
اور (سونا لین   ) باجتے ہیں آپ کو بڑی اچھی مہارت ہے،
ایک عرصہ تک لڑکیوں کو موسیقی کی تعلیم بھی دیا کرتی تھیں۔

فن خطابت (تقریر) میں بھی آپ کو دخل ہے بار ہا کانفرنسوں
میں تقریر فرمائی ہیں۔ پکوان میں پورا ملکہ حاصل ہے۔ کرناٹکی پکوان اور بھی

حیدرآباد کی پکوان کا سلیقہ پیدا کر لیا ہے۔ سلیقہ شعاری میں بھی ان کا نام بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ دو مشک سائنس کے کئی شعبوں میں تیتیلے کو دخل ہے باغبانی، تربیت اطفال وغیرہ میں خاصی مہارت رکھتی ہیں۔

مسز پیلے کو سوشل خدمات سے پوری دلچسپی ہے۔ آپ کی دلچسپی کا مظاہرہ کئی موقع پر ہو چکا ہے۔ حیدرآباد کے انفلوئنزا کے موقع پر آپ نے جو خدمات انجام دیئے اس کے صلہ میں سرکار عالی کی جانب سے آپ کو طلائی تمغہ دیا گیا۔ زنانہ رکریشن کلب کی بانیوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے، کئی سال تک اس کی نائب معتمد اور خزانہ داری کی خدمت کو انجام دیتی رہیں۔

انجمن ترقی تعلیم و تمدن کی نائب معتمد رہیں اور مستعدی سے اپنے فرائض کو انجام دی رہیں۔

حیدرآباد کے باہر جو زنانہ کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں اس میں بھی آپ کا حصہ ہوا کرتا ہے اور حیدرآباد کی نمائندگی کرتی ہیں۔

(۳۲)

الحاج قیصری بیگم

الحاج قیصری بیگم خان بہادر مولوی محمد شرف اسحق صاحب مرحوم (مہتمم بندوبست) کی چھوٹی دختر اور شمس العلما ڈاکٹر مولوی نذیر احمد مرحوم ایل ایل ڈی کی نواسی ہیں آپ کی والدہ "مرات العروس" کی ہیروئن اصغری (صغریٰ بیگم) تھیں۔ قیصری بیگم کی ولادت حیدرآباد میں ۱۳۱۲ھ میں ہوئی اپنی والدہ سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے علاوہ مولوی انتظام الدین حسن بی اے سے جو مولانا نذیر احمد کے شاگرد تھے عربی اور قرآن مجید کا لفظی ترجمہ سیکھا بچپن سے آپ ذہین تھیں ایک بار جو سن لیا مدت العمر یاد رہا۔ بچپن سے علمی اور مذہبی ماحول میں زندگی بسر ہوئی۔ مذہب اسلام کی خوبیاں دل نشیں ہوئیں اسی ماحول اور تربیت کا اثر ہے کہ آپ کو قرآن مجید سے زیادہ شغف ہے اور عربی، فارسی، انگریزی، اردو میں اچھی مہارت حاصل ہے۔

آپ مختلف دست کاریوں سے واقف ہیں سیون، سوزن کاری زردشیا رنگ آمیزی، قلعی، لکڑی اور بید کا کام حتیٰ کہ کہار اور ربڑ یا پانی کی نلکی بھی

رکھتی ہیں۔ پرورش اطفال کا سلیقہ حاصل ہے۔
سنہ ۱۳۵۵ھ میں حج و زیارت سے مشرف ہو چکی ہیں۔ حیدرآبادی قافلہ کے ساتھ آپ نے تنہا سفر کیا۔ کیونکہ کوئی محرم نہ مل سکا تھا۔

قیصری بیگم کو شاعری میں بھی دخل ہے۔ بہت کچھ کلام جمع ہو چکا ہے، جس میں زیادہ تر حمد، نعت، سلام وغیرہ شامل ہے۔ نثر میں کئی ایک کتابیں تالیف کی ہیں "تعلیم القرآن" ایک کتاب عنقریب شائع ہونے والی ہے۔

"قیصری بیگم کو تقریر کرنے کا اچھا ملکہ ہے" آپ کی تقریر نہایت مقبول اور موثر ہوتی ہے۔ ان تقریروں کا بھی خاصا ذخیرہ جمع ہو چکا ہے۔ انجمن حیات طیبہ کی آپ رکن ہیں اور نہایت سرگرمی سے اس کے کاموں میں حصہ لیا کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ کئی دیگر انجمنوں مثلاً انجمن معین الشرفاء، انجمن خواتین اسلام، انجمن خواتین دکن وغیرہ میں بھی آپ شریک ہیں،

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ "مدرسہ تدریس القرآن" ہے عرصہ تک آپ اس کمی کو محسوس کرتی رہیں کہ دنیوی تعلیم کے تو مدارس ہیں لیکن ایسا مدرسہ نہیں ہے۔ جس میں قرآن مجید اور حدیث کی تعلیم ہو۔ اسی ضرورت کے مدنظر آپ نے مدرسہ تدریس القرآن قائم کیا۔ جو اولاً آپ ہی کے مکان واقع نامپلی میں کئی ماہ تک قائم رہا۔ جب آپ کا مکان آرائش بلدہ میں خرید لیا گیا۔ تو بیگم بہادر خان صاحب نے اپنے مکان میں مدرسہ کو منتقل کر دیا اب اس مقام پر ہفتہ میں ایکمرتبہ تعلیم ہوتی ہے۔ قیصری بیگم خود لفظی ترجمہ پڑھاتی ہیں۔ بیگم بہادر خان تفسیر بیان کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ قرأت کا، اردو، حساب

معلومات مذہبی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ تقریباً اسی طالبات شریک درس ہوتی ہیں۔ کسی سے فیس نہیں لی جاتی۔ مدرسہ میں ایک ذاتی ٹانگہ یا پچ شکرام اور دو درکش مقرر ہیں۔ خاموشی اور استقلال کے ساتھ باقاعدگی سے کام ہو رہا ہے۔

اس مدرسہ میں قیصری بیگم۔ بیگم بہادر خاں کے علاوہ چند اور خواتین بھی درس دیا کرتی ہیں۔ بہرحال قیصری بیگم کا یہ کارنامہ ہر آئینہ مستحق ستائش ہے۔ جو دوسروں کے لئے باعث تقلید اور نمونہ ہے

(۳۳)

مسز اول ریڈی

راجہ بہادر وینکٹ راما ریڈی سابق کوتوال کی نواسی اور مسٹر اول ریڈی مددگار کوتوال کی اہلیہ ریڈی خاندان کی ایک مشہور خاتون ہیں سنہ ۱۹۱۰ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں محبوبیہ گرلز اسکول میں تعلیم ہوئی سینیر کیمبرج کے امتحان میں کامیابی حاصل کرکے۔ انگریزی اردو، تلنگی، زبانوں میں عبور حاصل ہے۔ اور تینوں زبانوں میں مضامین لکھا کرتی ہیں۔ مردانہ کرتب گھوڑے کی سواری۔ نشانہ اندازی میں مہارت ہے۔

ریکریشن کلب کی سکریٹری کے فرائض انجام دی ہیں۔ اندھرا خواتین کے اکیڈیمی میں جلسہ منعقدہ سنہ ۱۳۵۰ف کی صدارت آپ نے فرمائی ہے اس موقع پر جو خطبہ تلنگی میں سنایا تھا وہ نہایت اہم حیثیت رکھتا ہے

عموماً حیدرآباد کے نسوانی ترقی خصوصاً ہماری ریڈی عورتوں کی بہبودی
اور اصلاح و ترقی کے لئے آپ ہمیشہ دلچسپی لیتی اور مستعدی سے سوشل خدمات
انجام دیا کرتی ہیں۔

موجودہ جنگ کے امدادی کاموں اور چندوں وغیرہ میں آپ
نے پورا حصہ لیا ہے فقط۔

حیدرآباد کی عورتیں

اور

دیگر مضامین

حیدرآباد کی عورتیں

اس عنوان کے تحت کئی طرح سے اظہار خیال کیا جا سکتا ہے، مگر
س کی صراحت دشواری سے خالی نہیں ہے جو امور بادی النظر میں عام اور معمولی
علوم ہوتے ہیں ان کو بیان کرنا آسان نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ عورتیں اس قدر
ازک مزاج ہوتی ہیں کہ اگر کوئی امران کے خلاف لکھا جائے تو پھران کے ریمارز
ر تنقید سے بچنا محال ہوگا۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ وہ خاموشی کے ساتھ اپنی
نس کے متعلق باتیں سن کر سکوت کرلیں چونکہ وہ قلم ہاتھ میں لیکر میدان میں
آچکی ہیں۔ اس لئے نہایت احتیاط کے ساتھ اس میدان میں قدم رکھنے کی
ضرورت ہے۔

تمام دنیا میں صرف ہندوستان اور تمام ہندوستان میں صرف حیدرآباد
بلدۂ آصفی ہی ایسا قطعہ ہے جہاں دنیا کے چار عظیم الشان تمدنوں کی جھلک اب
ک موجود ہے، قدیم برہمنی تمدن اور بدھی تمدن کے آثار نظر آتے ہیں تو وہ بیہ سلطنت

آصفیہ ہے اور اسی طرح اسلامی تمدن اور یورپی تمدن ساتھ ساتھ جلوہ گر ہیں تو وہ بھی سلطنت نظام ہے۔ دنیا کا کوئی قطعہ ایسا نظر نہیں آئے گا۔ جہاں تمدن کی یہ بوقلمونی موجود ہو۔

حیدرآباد کی عورتوں پر ایک طرف ان کی قومیت اور مذہب کے لحاظ سے اظہار خیال کیا جا سکتا ہے۔ تو دوسری طرف ان کو مختلف گروہوں میں تمدن و تہذیب کے لحاظ سے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پھر انکو کام اور پیشہ کے لحاظ سے بھی منقسم کر سکتے ہیں۔ ان کی تعلیم اور اخلاق و عادات کے لحاظ سے بھی اظہار خیال ممکن ہے بہر حال یہ ایک دلچسپ مضمون ہو سکتا ہے۔ جس میں مختلف نہج پر بحث کی جا سکتی ہے۔

قومیت اور مذہب:۔ حیدرآباد میں مختلف قوم اور مختلف مذہب کی عورتیں بود و باش کرتی ہیں اور وہ قانون کی رو سے "ملکی" ہو چکی ہیں۔ قومی تقسیم یہ ہے۔ تلنگی، مرہٹی، کنڑی، مغل، عرب، افغانی، بنگالی، گجراتی، پنجابی، سندھی، راجپوت، ترکی، انگلش، فرینچ، جرمن، امریکن، مصری، افریقی، چینی، جاپانی وغیرہ۔

مذہبی تقسیم یہ ہو گی۔ سنی، شیعہ، عیسائی، یہودی، برہمن، نا برہمن، یہ آریہ سماجی، برہمو سماجی، لنگایت، جین، سکھ، پارسی یا زرتشتی، بدھی۔ ان کے علاوہ وہ وحشی اور جنگلی اقوام علیحدہ ہیں جن میں بنجارہ، پاردی، دھوڑ، بھیل، گونڈ وغیرہ شامل ہیں، ان کی طویل فہرست ہو سکتی ہے۔ بہر حال قوم اور مذہب کے لحاظ سے شاید ہی کوئی ملک ہو جہاں ایسی ہمہ گیری پائی جاتی ہو گی اسی

ت اور مذہب کے لحاظ سے رسم و رواج تمدن و تہذیب عادات
اف کا فرق ضروری ہے، مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ نظامی تمدن یا آصفی
ی کی بنیاد پڑ چکی ہے اور ہمارا خاص تمدن یہاں کے کھانے پینے اور
اوڑھنے رہنے سہنے میں نمایاں ہوتا جا رہا ہے۔ خصوصاً عورتوں کے لباس
یت خاص کر حیدرآبادی امتیاز ہے، ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک جو لباس
ال کرتی ہے اس میں ساڑھی اور مختلف قسم کے جمپر یا بلوز یا قمیص شامل
لو اس میں فرق مراتب کے لحاظ سے قیمت کا تغیر لازمی ہے لیکن طریقہ
عال اور پہننے کا ڈھنگ بالکل ایک ہے۔ حیدرآبادی عورتوں کے متعلق ایک
ار خیال ان کی حسب ذیل تقسیم کے لحاظ سے ہو سکتا ہے۔

قدیم مشرقی طرز کی بیگم، جدید مغربی طرز کی میم، درمیانی مشرقی اور
ربی طرز کی خاتون معلمات، نرسیں، ملازمین (ماما، کاماٹن، آیا وغیرہ) تجارت کرنے
لی عورتیں (سیدو پیشہ والی، یا بردار وغیرہ) محنت کرنے والی عورتیں یا ودڑنی
ارہ، پیلے والی وغیرہ) ان کے متعلق مختصر صراحت حسب ذیل ہوگی۔

یم مشرقی طرز کی بیگم :- اگرچہ اب تعلیم اور مغربی خیالات کے باعث
یم طرز کی عورتیں کم ہوتی جا رہی ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کی تعداد
خود تر کافی .... پائی جاتی ہے۔ اس قسم کی عورتوں میں چند باتیں مخصوص
ہوتی ہیں۔ یا تو وہ علم سے بالکل عاری ہوں گی یا پھر کچھ مذہبی تعلیم قرآن وغیرہ
سے واقف ہوں گی۔ بعض فارسی اور عربی کی فارغ التحصیل بھی ہوں گی۔ مگر انگریزی
"اے بی سی" سے بھی وہ واقف نہ ہوں گی۔ انگریزی تعلیم کو منزل کفر تصور کریں گی۔

اس قسم کی عورتیں جدید فیشن سے ناواقف ہوں گی۔ تعویذ، فلیتے، عملیات رسوم، نذر نیاز کی دلی معتقد اور نہایت خلوص سے ان کو کریں گی پکوان سینے پرونے سے کما حقہ واقف ہوں گی، خانہ داری کا کام از حد تا کل وہ خود انجام دیں گی۔ شوہر کی اطاعت مذہبی فرض خیال کریں گی اور اس پر عامل ہوں گی سینما، تھیٹر، کلب سے کچھ سروکار نہ ہوگا۔ البتہ عرس یا میلوں میں شرکت کریں گی پاندان زندگی کا لازمہ ہوگا بغیر پاندان وہ گھر سے باہر نہ جائیں گی۔ پاندان میں نہ صرف پان کے لوازمات ہونگے بلکہ زیور، رقم سب کچھ اس کی چیزیں اسی پاندان میں ہوں گی۔ مغربی اسباب سنگھار سے ناواقف ہوں گی مشرقی اسباب سنگھار کی شایق اور دل و جان سے ان کی قدردان ہوں گی۔ پردہ میں رہیں گی اور اس کو ضروری تصور کریں گی حتیٰ کہ اپنی آواز بھی نامحرم کو سنانے سے پرہیز کریں گی لباس میں ستر پوشی کا خیال ہوگا۔ اس کے بدن کا کوئی حصہ بھی لباس سے خالی نہ ہوگا۔ خالی وقت میں چوسر، چیپی وغیرہ کھیلوں سے دلچسپی ہوگی۔ ڈھولک بھی بجا سکے گی۔ لیکن بعض قدیم طرز کی عورتیں جو مذہبی اعلیٰ تعلیم سے واقف ہیں وہ اس قسم کے کاموں میں دلچسپی نہ لیتی ہونگی بلکہ وہ بزرگان دین کے حالات اور قصص الانبیا وغیرہ کی کتب بینی میں اپنا وقت صرف کرتی ہونگی۔ زیور کی شایق ہونگی اور وزنی زیور سے خاص محبت رکھیں گی۔

جدید مغربی طرز کی قسم: — ہماری جدید خواتین اس کا عکس ہونگی وہ تعلیم یافتہ ہوں گی، یہ ضروری نہیں کہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو بلکہ مڈل تک پڑھنا بھی جدید خاتون بننے کے لئے کافی ہے۔ انگریزی کی چند کتابیں جدید

تون بنا سکتی ہیں۔ اس کی زندگی کے بھی چند لوازمات ہیں۔ پکوان سے
ف ہونا ضروری نہیں۔ سینا نہیں آتا ہوگا۔ البتہ کروشیا یا رن وغیرہ
ام جانتی ہوگی۔ قدیم رسوم نذر و نیاز فاتحہ پر اعتقاد نہ ہوگا۔ خیالی قوت
ر رسالوں، ناولوں جنسی کتابوں پر دیوانوں وغیرہ کے مطالعہ کا شوق ہوگا
ھے کے تمام کھیلوں سے واقف ہوگی۔ عرس میلوں کو نفرت سے دیکھے گی
، سینما، تھیٹر، کلب کی دل سے شائق ہوگی۔ شوہر کی اطاعت اس پر دآب
ں، گھر یا سے تعلق نہ ہوگا۔ وہ ان سب کو ملازموں کا کام تصور کریگی۔
ید سے جدید وضع کے لباس کی شائق ہوگی، حسن کو نمایاں کرنا اس کی
گی کا معمولی ہوگا۔ پردہ کو نفرت کی نظر سے دیکھیگی۔ غیر مردوں سے گفتگو
کی مجلسوں میں نشست اس کو دل سے پسند ہوگا۔ اسباب سنگھار کی قدیم
دں سے نفرت کریگی۔ مہندی اور پان سے اس کو کام نہ ہوگا۔ بلکہ
، اسٹک پوڈر، سنیٹ وغیرہ کی قدر دان ہوگی۔ اور آمدنی کا بڑا حصہ ان
اصرف ہوگا۔ جس کے باعث وہ اور اس کا شوہر دونوں قرض دار ہونگے
اگر شادی شدہ ہوگی تو شوہر کے دوستوں سے اگر کنواری ہے تو بھائیوں
دوستوں سے ہر قسم کی بات چیت، دلگی اور مذاق ان کے ساتھ جائز ہوگی
ں کہ وہ آزادی کو پسند کرے گی۔ یورپ کی اندھی تقلید اس کی زندگی
جزو ہوگا۔

میانی طرز کی خاتون :- ہماری عورتوں میں ایک اور طرز
و رتیں بھی ہیں اور ان کی تعداد کافی سے زیادہ ہے۔ یہ درمیانی طرز

کی خاتون کہی جا سکتی ہے جو مشرق اور مغرب کی تہذیب سے مرکب ہوتی ہے اس کو نہ قدیم بیگم کہا جا سکتا ہے اور نہ جدید میم صاحبہ کا لقب دیا جا سکتا ہے اس لئے ہم نے درمیانی طرز کی خاتون سے ملقب کیا ہے۔

یہ تعلیم یافتہ ہوگی اور نہ صرف ادنیٰ یا اوسط بلکہ اعلیٰ تعلیم کے بعد بھی علم کی شائق ہوگی۔ اگر ایک طرف انگریزی ادب کی قدر دان ہوگی تو دوسری طرف مشرقی علوم کی بھی گرویدہ ہوگی۔ جہاں وہ جدید طرز کے لباس میں ملبوس ہوگی وہیں اس کو ستر پوشی کا خیال بھی ہوگا۔ وہ عریانی اور برہنگی کو پسند نہ کرے گی۔ سلیقہ شعار ہو، امور خانہ داری سے واقف ہوگی۔ اگر وہ کھانے پکانے سے اچھی طرح واقف نہ ہو تو کم از کم ضرورت کے موقع پر کچھ نہ کچھ پکانے کا ملکہ رکھتی ہوگی۔ دست کاری میں مہارت ہوگی۔ سلائی کے ساتھ کروشیا وغیرہ میں بھی دخل ہوگا۔ مطالعہ سے بھی رغبت ہوگی۔ سینما، تھیٹر اور کلب سے پرہیز نہ ہوگا۔ لیکن اس کی شوقین بھی نہ ہوگی۔ یورپین اسباب سنگھار کے ساتھ مشرقی اسباب سنگھار کی بھی شائق ہوگی۔ اگر وہ پوڈر استعمال کرے تو مہندی سے بھی عار نہ ہوگا۔

شوہر کی اطاعت مذہبی جز نہ تصور کرے گی مگر تہذیب آئین کے لحاظ سے ادب ضرور کرے گی۔ بچوں کو بالکل انا اور آیا کے سپرد نہ کرے گی۔ شوہر کے دوستوں سے پردہ نہ ہوگا۔ مگر ان کے ساتھ شوہر کے بغیر سیر و تفریح کو بھی نہ جائے گی۔ غرض وہ گھر کی بیگم بننا پسند کرے گی۔ چراغ خانہ بننا مرغوب ہوگا۔ شمع محفل نہ ہوگی۔

سرکاری ملازم عورتیں :- اس عنوان کے تحت ہم معلمات ڈاکٹر
نرسوں کا تعارف کرا سکتے ہیں، کیونکہ حیدرآباد کی سرکاری ملازمت
سا بھی عورتیں داخل ہیں۔

معلمات :- حیدرآباد اور قلمرو نظام میں کئی سو مدرسے تھیں۔ ان
معلمات کی تعداد بھی کئی سو تک پہونچتی ہے۔ ان میں ہر مذہب اور
ت کی عورتیں مامور ہیں مسلمان ہندو (برہمن غیر برہمن آریہ) عیسائی
رسی یہودی غرض مختلف مذہبوں کی عورتیں معلمہ کے فرائض انجام
تی ہیں۔ آج سے پچیس تیس سال پہلے معلمات کا بڑا کال تھا۔ اور
رف گھرانے کی عورتیں میسر نہ آتی تھیں۔ چنانچہ مہو مشیر تعلیمات نے
نی رپورٹ میں تعلیم نسواں کے متعلق جو صراحت کی ہے اس میں حسب
ل فقرات بھی شامل ہیں۔

"مدارس کی بدانتظامی کی وجہ سے تعلیم نسواں کے اغراض اور اس
نظم ونسق کے متعلق لوگوں پر غلط اثرات قائم ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے
علی درجہ کے لوگ اپنی اولاد کو مدارس میں روانہ کرنے پر مائل نہیں تھے
ن مدارس کی استانیاں ایسی تھیں جن کو اردو درست نہ آتی تھی۔ بلکہ
مذہب سے واقف ہوتی تھیں۔ عربی اور فارسی سے اتنی واقف ہوتیں کہ
رآن پڑھ سکتیں معمولی حساب سے بھی واقف نہ ہوتی تھیں۔ ان کے خاندان
ی اچھے نہ ہوتے تھے"

اس صراحت سے یہ واضح ہوتا کہ اس وقت کی معلمات میں سب سے

بڑے دو نقص تھے۔ اول تو یہ کہ ان کی کچھ قابلیت نہیں ہوتی تھی اور دوسرا
یہ کہ وہ شریف گھرانے سے تعلق نہیں رکھتی تھیں۔ یہ دونوں نقص اب بہت
کچھ دور ہو چکے ہیں۔ اب استانیوں کا کال نہیں ہے۔ اور قابل سے قابل
معلمات دستیاب ہوتی ہیں۔ وہ نہ صرف مڈل یا میٹرک کامیاب ہیں
بلکہ اب کالج کی ڈگریاں رکھنے والی معلمات بھی بیسیوں موجود ہیں۔ بعضوں
نے تو یورپ کی بھی تعلیم پائی ہے۔ اسی طرح اب شریف اور اعلیٰ طبقہ کی
خواتین معلمہ کے فرائض انجام دینے کے لئے دستیاب ہوتی ہیں۔ ایسی خواتین
بھی اس وقت معلمہ کے فرائض انجام دیتی ہیں جن کے شوہروں کی ماہوار
آمدنی بھی خاصی ہے بہرحال آج سے پچیس تیس سال پہلے جو نقص تھا
اب وہ رفع ہو چکا ہے۔

معلمات کی دو قسمیں قرار دی جا سکتی ہیں۔ ایک تو وہ جو انگریزی سے
بالکل ناواقف ہیں اور دوسری وہ ہیں جو انگریزی بھی جانتی ہیں۔ معلمات
کے متعلق عام طور سے جو عام لوگوں کے ذہن نشین ہے وہ یہ ہے کہ معلمات
فیشن کی دلدادہ ہوتی ہیں۔ انگریزی تہذیب اور فیشن کا ان پر زیادہ اثر
ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ جس طرح عام پبلک میں دونوں
قسم کی عورتیں موجود ہیں اسی طرح معلمات کا بھی حال ہے۔ اگر ان میں
سے کچھ فیشن کی دلدادہ اور انگریزی تہذیب کی شیدا ہیں تو بڑی تعداد
ایسی بھی ہے جو سادگی پسند اور مشرقی تہذیب پر عامل ہیں، بلکہ مدارس
میں عام طور سے سادگی پر عامل رہنے کے احکام دیئے جاتے ہیں

میرے خیال میں معلمہ ہو چکنے کے بعد جو بات دوسری عورتوں سے ممیز ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ معلمات مردوں سے گفتگو کرنے میں نہیں شرماتیں کیونکہ ان کو اپنی ملازمت کے باعث اکثر و بیشتر مردوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ البتہ بعض معلمات ضرورت سے زیادہ شوخ ہو جاتی ہیں۔

ڈاکٹرنیاں:۔ معلمات کے بعد ڈاکٹرنیوں کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے ڈاکٹرنیوں کی تعداد بھی اب یہاں زیادہ ہوتی جا رہی ہے ان میں بھی مسلمان، برہمن، عیسائی وغیرہ عورتیں شامل ہیں۔ ان میں بعض انگلستان کی کامیاب شدہ ڈاکٹرنیاں بھی ہیں۔ معلمات میں بڑا حصہ ہنوز پردہ کرتا ہے لیکن ڈاکٹرنیوں کے لئے یہ امر ناممکن ہے۔ اگرچہ اب حیدرآباد میں ڈاکٹری کی تعلیم اردو میں ہوتی ہے۔ اور چند لڑکیاں کامیاب ہو کر زمرہ ملازمت میں شامل ہیں اور کئی لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں مگر ہنوز اس کی جانب عورتوں کی توجہ بہت کم ہے چونکہ یہاں تعلیم کے لئے سب سے پہلے پردہ سے باہر ہونے کی ضرورت ہے اس لئے ہنوز عام طور سے ڈاکٹری کی تعلیم کا شوق کم ہے۔ توقع ہے کہ چند سال کے بعد ڈاکٹرنیوں کی تعداد بھی کافی ہو جائے گی۔

نرس:۔ سرکاری ملازمت کی تیسری شق "نرس" ہے جو زنانہ اور مردانہ دواخانوں میں مامور ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ بنگلور وغیرہ کی اینگلو انڈین وغیرہ نرسوں کی تعداد یہاں کافی تھی۔ مگر اس خدمت کیلئے "ملکی" کی قید لگادی گئی ہے۔ اس کی وجہ سے ان کے ملنے میں دشواری

ہوتی ہے۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ ہنوز متوسط طبقہ اس کی جانب متوجہ نہیں ہے۔ اس لئے نرسوں کے متعلق شکایتیں سنی جاتی ہیں۔

نرسوں میں ایسی عورتیں بھی شامل ہیں جو بہتر کن طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں اور عیسائی مذہب قبول کر لیتی ہیں۔ بعض اینگلو انڈین اور کچھ ہندو نرسین بھی ہیں۔ مسلمان نرسین نہ ہونے کے برابر ہیں۔

حیدرآباد میں نرس نہ صرف سرکاری دواخانوں میں مامور ہیں بلکہ یونانی صدر دواخانہ میں بھی نرس مقرر ہیں نرسوں کے متعلق بھی آزادی کا شہرہ ہے۔

صفحات ما قبل میں اعلیٰ اور متوسط طبقہ کی عورتوں کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اب ہم ادنی طبقہ کی عورتوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ان کو چند گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ مثلاً ملازم عورتیں تجارت کرنے والی عورتیں؛ محنت کرنے والی عورتیں، پھر ان کی بھی اقسام ہیں جن کی وضاحت کی جائے گی۔

ملازم عورتیں :۔ اعلیٰ اور متوسط طبقہ کی ملازم عورتوں کا تذکرہ ہم نے گذشتہ مضمون میں کر دیا ہے۔ اب ادنی طبقہ کی ملازم عورتوں کو متعارف کرایا جاتا ہے۔ ان کی تقسیم ماما۔ چپراسن۔ انّا۔ آیا۔ کامائن اور مالن پر کی جا سکتی ہے۔

ماما :۔ حیدرآباد کی ماماؤں کے متعلق ہمارا ایک تفصیلی مضمون ہماری کتاب "خیابانِ نسواں" میں شامل ہے اس لئے یہاں تفصیلی صراحت کی

ضرورت نہیں معلوم ہوتی ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ماما کا کام عموماً
پکوان ہوتا ہے۔ اور یہ مسلمان ہوتی ہے۔ غیر مسلم کوئی ماما کے لقب سے
یاد نہیں کی جاتی۔ ادنیٰ طبقہ کے مسلمان اس کام کو انجام دیتے ہیں۔
ماماؤں پر بھی جدید فیشن کا اثر ہوتا جا رہا ہے اور اب ان کا دستیاب
ہونا دشوار ہوتا جا رہا ہے۔ جس کی مختلف وجوہ ہیں ان کی صراحت اس
موقع پر بے محل ہے

چپراسن :- زنانہ مدرسوں میں جو ملازم عورتیں خدمت کرنے کے
لئے مامور ہوتی ہیں ان کو چپراسن کہا جاتا ہے۔ ان میں بڑا حصہ مسلمانوں
کا ہوتا ہے۔ ان کا کام نہ صرف مدرسہ میں خدمت کرنا ہے بلکہ نوکروں
کے ساتھ جا کر لڑکیوں کو لانا بھی شامل ہوتا ہے۔

ان میں ڈانٹنے ڈپٹنے کا مادہ زیادہ ہوتا ہے بعض تحتانیہ مدرسوں
میں یہ معلمات پر بھی حاوی ہو جاتی ہیں۔

انا:- انا سے وہ عورت موسوم ہوتی ہے جس کا دودھ کسی گھر کے بچہ نے پیا ہو۔ انا کے
لئے مذہب کی کوئی قید نہیں ہوتی وہ مسلمان بھی ہوتی ہے اور ہندو بھی۔ بعض گھرانوں میں
انا کو بچہ کے دودھ چھوڑ دینے کے بعد بھی ملازم رکھا جاتا ہے اور وہ باوجود دودھ نہ پلانے کے
اسی نام سے موسوم ہوتی ہے۔ بعض انائیں کچھ خدمت انجام دیتی ہیں انکو معمولاً تنخواہ زیادہ دی جاتی
ہے۔ پہلے زمانہ میں اناؤں کا دستور تھا ہر گھر میں ہر بچہ کے لئے انا ملازم ہوتی تھی مگر اب تعلیم یافتہ
اور جدید فیشن کے مدنظر بچے کی پرورش بجائے انا کی دودھ کے گائے
وغیرہ کے دودھ سے ہونے لگی ہے۔ اس لئے اب انا کا دستور بھی کم ہوتا

چلا جا رہا ہے ۔

آیا ۔ زمانہ قدیم میں آیا کا وجود نہیں تھا ، یورپین اصحاب کے زمانہ سے آیا کا وجود ہوا ہے ۔ جن ہندوستانی دختروں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا ان کو یورپین خواتین ملازم رکھنے لگیں اور انھیں کچھ تعلیم اور تربیت بھی دی جانے لگی ، اور انگریزی زبان بھی بولنے لگیں اسی طرح یورپین عورتوں کی ملازم آیا کے لقب سے موسوم ہوئیں جن کے لئے لازم تھا وہ عیسائی مذہب ہوں ، انگریزی گفتگو کریں انگریزی پکوان اور انگریزی تہذیب سے واقف ہوں ۔ بچوں کی پرورش اور ان کی صحت کے ضروری امور سے آگاہ ہوں ۔ یورپین خواتین کے سنگھار وغیرہ میں مدد دیں ۔ بہرحال ان کے مختلف فرائض تھے ، جن سے آگاہ رہنا آیا کے لئے لازمی تھا ۔ چونکہ یورپین صفائی کو مقدم قرار دیتے ہیں اس لئے انھوں نے آیا کے لباس کو سفید قرار دیا تاکہ ہر وقت صفائی ہو سکے آیا کے فرائض سخت اور کام بھی اہم ہوتا تھا اسلئے انکی دستیابی بھی مشکل تھی ان کی تنخواہیں زیادہ ہوتی تھیں اس وجہ سے آیا کو عام طور پر نہیں رکھا جاتا تھا مگر گذشتہ پچیس تیس سال سے یہاں آیا کا زیادہ رواج ہو گیا ہے ۔ فیشن کی تقلید نے مجبور کر دیا ہے کہ ہر گھر میں آیا ضرور رہے اور اگر کوئی کسی قدر صاحب ثروت ہوں تو پھر ان کے یہاں بیگم صاحبہ کی خدمت کے علاوہ ہر بچے پر ایک ایک آیا ضرور ملازم ہوتی ہے اس طرح ان کی مانگ زیادہ ہو گئی ہے ۔ مانگ زیادہ ہونے سے تنخواہ

بھی کم ہو گئی ہے اور نہ صرف خاص عیسائی مذہب بلکہ ہریجن اور دیرا بھی سفید ساڑھی پہن کر آیا بن گئیں - اس قسم کی آیا زیادہ تر لباس کی حد تک آیا ہوتی ہے - اس کو نہ تو انگریزی زبان آتی ہے اور نہ وہ انگریزی تہذیب سے واقف ہوتی ہے - اسی طرح انکو بچوں کی پرورش دیکھ بھال کے ابتدائی اصول آتے ہیں اور نہ انکی صحت اور تندرستی کے امور سے واقف ہوتی ہیں - غرض یہ صرف نام کی ہوتی ہے - کام کی نہیں ہوتی - بہر حال آجکل آیا کی بڑی مانگ ہے اور بچوں کے لئے اور بیگم صاحب کے لئے آیا کی ضرورت ہوتی ہے - اس لئے ہر گھر میں سفید پوش عورت آیا کے نام سے موسوم ہوا کرتی ہے - جو اصلی امور آیا کے لئے ضروری تھے ان کا وجود مفقود ہوتا جا رہا ہے ۔

کماٹن :- بھی ایک ملازمہ عورت ہوتی ہے، یہ بھی مسلمان نہیں ہوتی بلکہ ہندو ہریجن ہوتی ہے - گھر کے کاروبار اس کے ذمہ ہوتے ہیں - پکوان اس سے متعلق نہیں ہوتا - بازار سے سودا لانا - گھر کی صفائی - برتن مانجھنا وغیرہ امور ان سے متعلق ہیں - آج کل "بھوئینا" (جو ایک خاص فرقہ ہوتا ہے اور زیادہ محنت کا عادی ہے) کماٹن کی حیثیت سے ملازم ہونے لگی ہیں ۔

مالن :- باغوں میں جو عورتیں باغبانی کے لئے مامور ہوتی ہیں ۔ وہ مالن کے نام سے موسوم ہیں - یہ بھی عموماً ہریجن ہوتی ہیں باغوں میں ان کی بڑی مانگ ہوتی ہے - مالی کے ساتھ مالن کا مامور ہونا لازمی

ہے۔ مالن کو مالی کی رشتہ دار ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور اکثر ایسا ہوتا بھی نہیں۔ باغوں کی صفائی اور درختوں کو پانی دینا اور دیگر چھوٹے چھوٹے کام ان سے متعلق ہوتے ہیں۔

تجارت کرنے والی عورتیں:- اب ہم ان عورتوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو تجارت کرتی ہیں۔ مثلاً میوہ فروش، ترکاری فروش، گھانس فروش، سون پوت والی کا ذکر بیان کیا جاسکتا ہے۔

میوہ فروش یا پارڈن:- آج سے تیس چالیس سال قبل گھر گھر پھر کر میوہ فروخت کرنا خاص کر "ہریجن طبقہ" کا پیشہ تھا۔ اکثر مرلیاں" (جو شادی نہ کرکے دیوکے نام پر چھوڑ دی جاتی تھیں) اس کام کو کرتی تھیں اب بھی کچھ ہریجن میوہ فروخت کرتی ہیں۔ لیکن میوہ فروشی پر اب ایک خاص گروہ کے لوگوں نے قبضہ کر لیا ہے اور وہ "پارڈی" ہیں۔ اس لیے ان کا کسی قدر تفصیلی تعارف ضروری ہے۔

"پارڈی" دکن کا ایک وحشی یا جنگلی طبقہ ہے۔ زمانہ سابق میں صرف جنگلی پرند وغیرہ فروخت کرنا ان کا کام ہوتا تھا ہرن طوطے بٹیر تیتر وغیرہ فروخت کرتے تھے۔ جرائم پیشہ اقوام میں ان کا شمار تھا۔

حیدرآباد میں جانب جنوب ایک گاؤں میں ان کی آبادی ہے جو "جل پلی" سے موسوم ہے۔ یہ بکثرت شراب پینے کے عادی ہیں۔ رات کو مست رہتے ہیں۔ ان لوگوں کی آواز بھی ایک خاص قسم کی ہوتی ہے آواز گلے سے باریک نکلتی ہے اور فوراً گفتگو سے پتہ چل جاتا تھا کہ

یہ پاڑو ی ہوتے۔

اس فرقہ نے گذشتہ پچیس تیس سال سے گھر گھر گھوم کر میوہ فروخت کرنے کے پیشہ پر قبضہ کر لیا ہے اور اب ہر طرف یہی اس کام کو کرتے نظر آتے ہیں۔ پہلے ان کی قوم غیر مخلوط تھی مگر شہری زندگی اور گھر گھر گھومنے سے ان کی نسل مخلوط ہو گئی ہے۔ مخلوط ہو جانے کے باعث ان کی سابقہ آواز بھی باقی نہیں رہی اور چہرہ مہرہ ناک نقشہ میں فرق ہوتا جا رہا ہے۔

یہ میوہ کے تھوک فروش دوکانداروں سے روزانہ میوہ خریدتے ہیں اور گھر گھر گھوم کر ان کو فروخت کرتے ہیں۔ اس تجارت سے انکو خاص آمدنی ہو جاتی ہے۔

ان کا لباس بھی وہی عام سادہ سی اور چولی ہے۔ جو مالدار ہو جاتی ہیں وہ چاندی کے زیور بھی استعمال کرتی ہیں۔ پاڑو ی اکثر میوہ دار باغوں کا سالانہ اجارہ بھی لیتے ہیں۔ اور اس باغ کا میوہ فروخت کرتے ہیں۔

رات کو شراب میں مست ہو کر آپس میں لڑائی جھگڑا کرنا ان کا ایک معمول ہے۔

ترکاری فروش:۔ سبزی یا ترکاری فروخت کرنا بھی عورتوں کا ایک پیشہ ہے عموماً مہترجن عورتیں اس کام کو کرتی ہیں۔ ترکاری کی نہ صرف دکانیں ہوتی ہیں بلکہ گھر گھر گھوم کر بھی فروخت کی جاتی ہے۔

سبزی منڈیوں سے یہ روز ترکاری خرید کرتیں اور گھوم کر ان کو فروخت
کرتی ہیں۔ مقررہ گھروں پر روزانہ جاتی ہیں۔ اس طرح کی فروخت میں
ان کو روزانہ چھ آنے آٹھ آنے مل جاتے ہیں۔

گھاس فروش:۔ گھوڑوں کو روزانہ بلکہ ہر موسم میں سبز گھاس دی
جاتی ہے اس لئے گھاس فروش بھی ایک ذریعہ معاش ہے اور اس کام
کو عورتیں کرتی ہیں۔

گھاس فروش عورتیں بھی ہریجن ہوتی ہیں۔ وہ جنگلوں، تالابوں
وغیرہ میں جا کر گھاس کاٹتی ہیں۔ اور شام کو اس کو فروخت کرتی ہیں۔ ان
کے فروخت کا وقت رات کے نو دس بجے تک ہوتا ہے، کیونکہ ٹھیکے
اور تانگہ والے اپنے مکان کو جاتے ہوئے گھاس خرید لیتے ہیں۔

سوئی پوت والیاں:۔ انگلستان میں جپسی ایک قوم ہے جو خانہ
بدوش ہوتی ہے۔ ہر ایک شہر میں چند روز قیام کرتے اور تجارت وغیرہ
کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہاں کی سوئی پوت والیاں بھی قدیم زمانہ
میں اسی قوم کی ایک شاخ ہے۔

ان کے مرد گھر پر رہتے ہیں اور صرف عورتیں سوئی پوت، کانچ
کے برتن دیگر ولایتی سامان فروخت کرتی ہیں۔ ایک بڑے تھیلے میں یہ
تمام اشیاء کو رکھتی ہیں اور اسکو اپنی پیٹھ پر لاد کر گھر گھر گھوم کر ان کو
فروخت کرتی ہیں۔ اب چند سال سے ولایتی پارچے بھی فروخت کرنے
لگی ہیں۔ عموماً یہ قیمت زیادہ مانگتی ہیں اور پھر کم کرتے کرتے نصف

بلکہ اس سے بھی کم قیمت پر مال فروخت کرتی ہیں۔

یہ بھی ایک خاص مقام پر جو حیدرآباد کے جانب مشرق سعید آباد سے موسوم ہے رہتی ہیں۔ تمام دن شہر میں آکر گھوم کر مال فروخت کرتی اور سہ پہر یا مغرب کے قریب اپنے مکان کو واپس ہوتی ہیں، چند سال پہلے تک ان کی تجارت خوب ہوتی تھی، اب وہ گرم بازاری نہیں رہی۔

ان سے مال خریدنے کا طریقہ صرف نقد رقم دینا نہیں ہے پرانے زریں مصالحہ کے معاوضہ میں بھی اپنا مال فروخت کرتی ہیں۔

گوالن:۔ گوالوں کی ایک خاص ذات یا فرقہ ہے۔ جو اپنے کو ہندو کہتا ہے۔ ان کی عورتیں گوالن کہلاتی ہیں۔ گائے بھینس پالنا اور دودھ مکھن، دہی فروخت کرنا ان کا کام ہے۔ گوالن اپنے شوہروں کو کام میں مدد دیتی ہیں۔ اپنے جانوروں کو چراگاہ لے جانا۔ ان کا گوبر وغیرہ صاف کرنا، گوبر سے اُپلے بنانا، مسکہ بالائی بنانا۔ دودھ دھونا، ان کو فروخت کرنا وغیرہ سب کام انجام دیتی ہیں۔ ان کے ساتھ خانہ داری کے کام کرنا بھی ان کا فریضہ ہے۔

بعض مسلمان گوالن بھی پائی جاتی ہیں۔ ان کی عورتیں بھی اسی طرح کام کرتی ہیں۔ یہ صرف نام کے مسلمان ہوتے ہیں، کوئی بات یا کوئی فرق دوسری گوالن سے ممیز نہیں ہوتا۔

چوڑی والیاں:۔ حیدرآباد میں ولایتی کانچ کی چوڑیوں کے علاوہ

خود یہاں خاص قسم کی چوڑیاں بنائی جاتی ہیں۔ اور سوائے بیواؤں کے
سب ان کو استعمال کرتی ہیں عموماً شادی اور تقاریب میں اب تک ان کا
رواج ہے ان چوڑیوں کو "جوڑے" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ انکو
بنا کر فروخت کرنے والے چوڑی فروش کہلاتے ہیں۔ یہ بھی ہندو ہوتی ہیں
یہ عورتیں چوڑی والی کہلاتی ہیں۔ یہ نہ صرف دیسی جوڑے فروخت کرتی ہیں
بلکہ ولاتی چوڑیاں بھی رکھتی ہیں۔ مکانوں میں جاکر فروخت کرتی اور اپنی
دوکان پر بھی بیچا کرتی ہیں۔

تیلن ۔ تیل نکالنے والے تیلی کہلاتے ہیں۔ ان کی عورتیں تیلن سے موسوم
ہیں۔ یہ بھی ہندو قوم سے ہوتی ہیں۔ تیل فروخت کرنا ان کا کام ہوتا ہے

کسب کرنے والی عورتیں :۔ اب ہم ان عورتوں کا تعارف
کراتے ہیں جو ذاتی پیشہ یا کسب کرتی ہیں۔ مثلاً۔ دھوبن، درزن، دائی
...... جولاہن، الداف، نتنے سینے والیاں، رنگریزن، سنارن
کمہار وغیرہ ان میں شامل ہیں۔

دھوبن :۔ کپڑے دھونے والیاں۔ دھوبن اکثر و بیشتر غیر مسلم
ہوتی ہیں، بعض مسلم دھوبن بھی ہیں لیکن ان کی تعداد کم ہے دھوبن
اپنے مردوں کے ساتھ کپڑے دھونے کا کسب کرتی ہیں اور اپنے کام میں
اچھی مہارت رکھتی ہیں۔ مرہٹہ عورتوں کی طرح یہ ہمیشہ ساڑھی کا کسوٹا
لگاتی ہیں۔ یہ بہت کم نہیں ہوتیں ہندو کہلاتی ہیں۔

درزن :۔ درزیوں کی بڑی تعداد ہندو ہے۔ اب بعض مسلمان درزی

بھی ہیں۔ درزن اکثر اپنے خانہ داری کے کام انجام دیتی ہے اس کے ساتھ موٹا اور معمولی کپڑا بھی سیتی ہے۔ ان کو اعلیٰ یا اوسط درجہ کے کپڑوں کا سینا یا ان کو تراشنا نہیں آتا۔ دھوبنیں جس طرح اپنے مردوں کے ساتھ اپنے کام میں مہارت رکھتی ہیں اس طرح درزن نہیں ہوتی انکو اعلیٰ درجہ کا سینا نہیں آتا۔

سنارن :- زرگر یا چاندی سونے کے زیور بنانے والے سنار کہلاتے ہیں۔ عموماً یہ ہندو ہوتے ہیں ان کی عورتیں سنارن کہلاتی ہیں۔ ان کو سناری کا کام نہیں آتا وہ صرف خانہ داری کے کام کرتی ہیں۔

رنگریزن :- حیدرآباد میں ہندو اور مسلمان دونوں رنگریزی کا پیشہ کرتے ہیں، لیکن مسلمان رنگریز سب کے سب مارواڑ سے تعلق رکھتے ہیں ان کی عورتیں بھی رنگریزی کا کام کرتی ہیں، ہندو رنگریزن دوسری ہندو عورتوں کی طرح ہوتی ہیں لباس وغیرہ میں کوئی فرق معلوم نہیں ہو سکتا البتہ مسلمان رنگریزن یہاں کی دوسری مسلمان عورتوں سے لباس چال ڈھال ناک نقشہ کے لحاظ سے جداگانہ ہوتی ہیں۔ اور فوراً معلوم ہو جاتی ہیں کہ وہ یہاں کی اصلی باشندہ نہیں ہیں۔ سالہا سال گذر جانے کے بعد ان کی تمیز آسان ہے۔

جولاہن :- کپڑے بننے والیاں جولاہن کہلاتی ہیں، زیادہ تر سوتی یا دیسی ریشمی و زریں ساڑھیاں یہ بناتی ہیں۔ یہ بھی زیادہ تر ہندو ہوتی ہیں۔ ان کی عورتیں بھی اس کام کو انجام دیتی ہیں۔ عام ہندو عورتوں کی طرح انکی حالت ہے،

لدافن :- روئی کا کام کرنے والے لداف کہلاتے ہیں، روئی صاف کرنا اور توشک تکیوں میں روئی بھرنا ان کا کام ہے۔ یہ تمام تر مسلمان ہیں۔ انکی عورتوں کو بھی اس کام کی پوری مہارت ہوتی ہے۔ ادنیٰ طبقہ کی مسلمان عورتوں کی طرح ان کی حالت ہے کوئی امر لباس وغیرہ میں قابل تمیز نہیں ہے۔

حجامنی یا دائی :- زمانہ قدیم میں دائی یا قابلہ کا کام تمام تر حجاموں کی عورتوں سے مخصوص تھا۔ اور ان کی خاص ایک علحدہ ذات یا فرقہ ہوتا تھا عورتوں کے علاج یا زچگی وغیرہ کا کام دائی سے متعلق ہوتے تھے۔ اور وہ پرانے طریقے سے اس کو انجام دیا کرتیں، مگر اب ڈاکٹری اور یونانی اطباء نے دائی کی تعلیم اور عملی تجربہ بھی شامل کر دیا ہے جس کے باعث دوسری عورتیں بھی اس کام کو کرنے لگی ہیں۔ اس میں ہندو مسلمان، ہریجن سب ہی حصہ لیتی ہیں۔ اس پیشہ میں وسعت کی ضرورت ہے۔ عام طور سے قابل اور تجربہ کار دائیوں کا کال ہے ہر دواخانوں میں دائی مامور ہوتی ہے۔

قصابن :- قصائی کی عورتیں قصابن کہلاتی ہیں، ہندو اور مسلمان دونوں قصائی ہیں۔ لیکن ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہے۔ قصابنیں بکرے کو چھیلنے کا کام کو انجام نہیں دیتیں لیکن سر اور پائے کو چھیلنا اوجھڑی وغیرہ صاف کرنا اور ان کو فروخت کرنا ان سے متعلق ہوتا ہے۔ یہ گوشت فروخت نہیں کرتیں یہ کام ان کے مرد انجام دیتے ہیں۔

نقاشن :- حیدرآباد میں صندوقوں، چوکیوں، تپائی اور برتنوں چھاجلیوں کو رنگنے اور ان پر نقش کرنے کا کام قدیم زمانے سے ہوتا ہے۔ مکانوں کی دیواروں

وغیرہ پر بھی نقش اور رنگ کرنے کا دستور تھا۔

نقاشوں کی عورتیں نقاشن کہلاتی ہیں۔ یہ بھی نقش کا کام کرتی ہیں
اگرچہ اب مکانوں وغیرہ کی نقاشی یورپ کے طرز پر ہونے لگی ہے اور اس
کے باعث ان لوگوں کی آمدنی کم ہو گئی ہے۔ لیکن اب بھی شادیوں وغیرہ
میں صندوقوں چوکیوں، خوان کشتیوں وغیرہ پر نقش کیا جاتا ہے اور یہ کام
عورتیں بھی کرتی ہیں۔

کمہارنی :- مٹی کے برتن بنانے والے کمہار کہلاتے ہیں۔ ان کی عورتیں
کمہارنی کہلاتی ہیں۔ یہ بھی تمام تر ہندو ہیں۔ عام ہندو عورتوں کے مماثل
ہوتی ہیں۔ زیادہ تر یہ فروخت کا کام کرتی ہیں۔ برتن بنانے میں مہارت
نہیں رکھتیں۔

چکلی کٹارن :- پتھر کا کام کرنے والیاں۔ چکلی کٹارن کہلاتی ہیں۔
ان کی خاص ذات ہوتی ہے۔ وحشی قوم سے تعلق رکھتی ہیں۔ صرف ایک
کپڑا ساڑی پہنتی ہیں۔ چولی نہیں ہوتی۔ ساڑھی کے پلو کو سینے پر ڈالتی ہیں
پتھر توڑنا اور ہنڈی چلانا وغیرہ جو کام ان کے مرد کرتے ہیں یہ بھی وہی
کام انجام دیتی ہیں۔

نبتے سینے والیاں :- تیلی برہمن جوفال اور نجوم کا پیشہ کرتے ہیں۔
ان کی عورتیں نبتے سیتی ہیں۔ غریب طبقہ موسم سرما میں اوڑھنے کے لئے
اپنی پھٹی ہوئی ساڑیوں وغیرہ کو تہ بہ تہ سی کر موٹا کمبل بنا لیتی ہیں ان کو
وہ نبتے کہتے ہیں۔ یہ کام جو عورتیں کرتی ہیں انکو نبتے سینے والیاں کہتے ہیں

یہ عموماً دو دو عورتیں مل کر ایک خاص آواز سے "نیتے سیئے"
"نیتے سیتے" کا نعرہ لگاتی ہوئی گذرتی ہیں۔ جن کو اس کام کی ضرورت ہے
وہ ان کو طلب کر کے اجرت طے کر کے ان سے یہ کام لیتے ہیں اس کام سے
ان کی زندگی بسر ہوتی ہے۔

یہ بھی دیگر ہندو عورتوں کی طرح ہوتی ہیں مگر اکثر یہ بالوں کی چوٹیاں
مسلمانوں کی طرح بناتی ہیں، ادنیٰ طبقہ میں بالوں کو اس طرح بنانے کا رواج
بالکل نہیں ہے۔ صرف یہ عورتیں ہی بالوں کی چوٹیاں بناتی ہیں۔

محنت کرنے والیاں یا مزدورنیاں :- ادنیٰ طبقہ سے اگلا مزدوروں
کا بیان ضروری ہے، ان کو بھی کئی اقسام میں بیان کر سکتے ہیں۔ مثلاً ہریجن
مزدورنی، دوڑنی، پیلے والی، بنجارن،

ہریجن مزدورنی :- ادنیٰ طبقہ یا "دبیلا" جو مختلف قسم کی محنت کر کے
روزی پیدا کرتے ہیں، ان کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو "بلدیہ" میں
ملازم ہیں دوسری وہ جو سگریٹ کے کارخانوں اور کپڑے کی مل میں ملازم ہیں
اور تیسری وہ جو مکانوں وغیرہ کی تعمیر میں کام کرتی ہیں۔

"بلدیہ" میں جو کام کرتی ہیں وہ "بلدیہ" میں ملازم ہوتی ہیں۔
پہلے ان کی ماہوار تنخواہ صرف چار روپیہ ہوتی تھی۔ مگر اب آٹھ دس روپیہ
ماہوار ملتی ہے۔ راستوں کی صفائی کرنا، راستے درست کرنا وغیرہ ان سے
متعلق ہوتا ہے۔ صبح سے آٹھ نو گھنٹے ان سے کام لیا جاتا ہے۔ یہ بڑی کام
چور ہوتی ہیں۔ زیادہ وقت آرام میں گذار دیتی ہیں۔

سگریٹ کے کارخانوں اور مل میں کام کرنے والیاں بھی صبح کے سات آٹھ گھنٹے کام کرتی ہیں۔ ان کو ماہوار تنخواہ نہیں بلکہ روزانہ اجرت ملتی ہے اجرت کی مقدار اب آٹھ آنہ دس آنہ ہوتی ہے۔ یہ عورتیں اول الذکر سے بھی قدر شائستہ بلکہ فیشنیبل ہوتی ہیں۔

مکانوں وغیرہ کی تعمیر کرنے والیاں بھی سات گھنٹے محنت کرتی ہیں ان کو بھی اجرت ملتی ہے۔

وڈرنی :- حیدرآباد میں آج سے تیس سال پہلے "وڈر" قوم نظر نہیں آتی تھی ممکن ہے اضلاع وغیرہ میں ہو لیکن شہر حیدرآباد میں ان کا وجود نہیں تھا۔ طغیانی رود موسیٰ کے بعد جب حیدرآباد میں پلوں کی تعمیر ہونے لگی۔ تو گتہ داروں نے مدراس کے علاقوں سے اس قوم کو کام کرنے کے لئے بلایا تھا۔ اس کے بعد یہ یہاں بس گئے اور ان کی تعداد تعمیراتی کاموں کی کثرت سے روز بروز زیادہ ہونے لگی۔ اور آج کل یہاں اچھی خاصی تعداد .... موجود ہے۔

وڈر بڑے محنتی ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے پتھر اٹھانا۔ بنیادیں کھودنا وہ آسانی سے اور جلد کر دیتے ہیں۔ پہاڑوں کو توڑنا ان کے لئے معمولی کام ہے۔ یہ صبح سے صرف تین چار بجے تک کام کرتے ہیں۔ چار بجنے کے بعد کبھی کام پر نہیں رہتے۔ اپنے رہنے کی جگہ جو گھاس پھوس کی جھونپڑی ہوتی ہے چلی جاتی ہیں۔ ان کے مرد عورت بچے سب ہی مل کر کام کرتے ہیں وڈرنی صرف ایک ساڑی کا استعمال کرتی ہیں چولی پہنی ہوتی۔ اپنے سینے کو ساڑی

کے پلو سے پوشیدہ رکھتی ہیں۔

بعض وڈر کسی قدر مہذب بھی ہوگئے ہیں۔ وہ قمیص اور کوٹ کا استعمال کرنے لگے ہیں۔ مگر ان کی عورتیں ہنوز ابتدائی حالت میں ہیں۔

پلے والیاں :- یہ قوم یا فرقہ غالباً صرف حیدرآباد میں ہے کسی اور شہر میں ان کا وجود نہیں پایا جاتا۔ یہ عورتیں عام دوسری ہریجنوں کی طرح ہوتی ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ غلہ کی گنج سے غلہ کے بورے اپنی پیٹھ پر لاد کر لوگوں کے مکانوں تک پہونچاتے ہیں۔ وہ بڑے بڑے تھیلے اپنے پاس رکھتی ہیں جس میں ایک "پلہ" (۱۲۰) سیر چاول اور جواری گیہوں وغیرہ آتی ہے۔ اس کو ایک تنہا عورت میلوں لے جاتی ہے۔ یہ بہت مضبوط ہوتی ہیں

بنجارن :- بنجارہ قوم بھی وحشی ہے۔ آج سے تیس چالیس سال قبل ان کا کام یہ تھا کہ بیلوں پر غلہ، اجناس لاد کر دیہات سے شہر کو لایا کرتے اور یہی ان کا روزگار تھا ایک ایک "تانڈہ" (قافلہ) میں پانچ سو ہزار بیل ہوتے تھے۔ اور بیلوں اجناس روزانہ حیدرآباد کو لایا کرتے۔ ریل اور موٹر لاریوں کے باعث ان کا یہ ذریعہ بند ہوگیا۔ اور وہ دوسرے کاموں میں مصروف ہوگئے۔

حیدرآباد میں بنجارہ ہل جس کو اب جوبلی ہل کہا جاتا ہے ان کا مسکن تھا۔ اب بھی کچھ بنجارہ قوم وہاں بود و باش کرتی ہے۔ حیدرآباد میں ان کا ذریعہ محنت مزدوری ہے۔ تعمیری کاموں میں ان کی عورتیں (بنجارن) کام کرتی ہیں۔ بنجارن کا لباس خاص قسم کا ہوتا ہے دوسرے ادنیٰ طبقہ

اور وحشی اقوام کی طرح ساڑھی کا استعمال یہ نہیں کرتیں بلکہ ایک خاص لباس جس میں لہنگا اور اوڑھنی ہوتی ہے پہنا کرتی ہیں۔ جو سرخ زرد نیلے اور سبز رنگ کے کپڑوں کو جوڑ کر بنایا جاتا ہے۔ بعض اس پر نقش ونگار بھی کرتی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے آئینہ کے ٹکڑے بھی اس پر لگائے جاتے ہیں۔ ہاتھی دانت کی چوڑیاں اور اس کا زیور بھی استعمال کرتی ہیں۔ بہرحال قدیم باتیں ان میں بہت کچھ باقی ہیں۔

بنجارہ ہل (جوبلی ہل) پر بیگم سید امیر حسن نے ان کی تعلیم کے لئے اپنے مکان میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ ان کی لڑکیاں تعلیم پاتی اور دستکاری سیکھتی تھیں۔

حیدرآباد کی اعلیٰ اور اوسط اور ادنی طبقہ کی عورتوں کا تذکرہ ہو چکا ہے اب ہم چند اور اقسام کی عورتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

ممکن ہے کہ بعض تعلیم یافتہ اصحاب اور خواتین کو ان کا تذکرہ ناگوار گذرے لیکن یہ بھی عورتوں کے زمرہ میں شامل ہیں۔ خواہ ان کا پیشہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے مضمون کے عنوان کے لحاظ سے ان کی صراحت ناگزیر ہے۔

فقیرنیاں یا بھکارنیاں:- حیدرآباد میں بھی دوسرے شہروں کی طرح فقیروں کی کمی نہیں ہے اسی طرح فقیرنیاں بھی کثرت سے ہیں افسوس ہے کہ فقیرنیوں میں مسلمان فقیرنیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ پھر تجن دھیر چمار فقیرنیوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ اگرچہ انسداد گداگری کا قانون منظور

ہو چکا ہے مگر افسوس اس پر عمل نہیں ہوتا۔

مسلمانوں فقیرنیوں میں جوان، ادھیڑ اور ضعیف سب ہی شامل ہیں یہ اکثر دو دو تین تین کی ٹکڑی میں مکان پر آتی اور سوال کرتی ہیں۔ ان کے ساتھ کبھی کبھی دو دو تین یا چار بچے بھی ہوتے ہیں۔

کوئی محلہ کوئی بازار کوئی سڑک ان سے خالی نہیں ہوتی، ان کی آمدنی خاصی ہو جاتی ہے۔ بلکہ ملازمت کی تنخواہ سے زیادہ کماتی ہیں اس لئے بھیک کو ملازمت سے زیادہ مفید سمجھ کر اپنا ذریعہ معیشت بنالیا ہے۔

ہریجن فقیرنیوں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ یہ بھی جوان اور بڑھیا ہوتی ہیں۔ جب یہ مکانوں پر سوال کرنے آتی ہیں۔ جب تک کچھ ملتا نہیں جانے کا نام نہیں لیتیں۔

مراثنیاں:۔ حیدرآباد میں ایک طبقہ مراثنوں کا ہے۔ یہ وہ عورتیں ہیں جو مستورات کی محفلوں میں گاتی ہیں، ان کے ساتھ مرد ساز ندے نہیں ہوتے وہ خود طبلہ اور ہارمونیم بجاتی اور گاتی ہیں۔ ان کے مرد اکثر قوالی کا پیشہ کرتے ہیں۔

حیدرآباد میں خوشی کی تقاریب کے موقعوں پر زنانہ حصہ میں مراثنوں کا گانا ضرور ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض پردہ بھی کرتی ہیں اور مردوں کے سامنے نہیں آتیں۔ البتہ بعض ایسی ہوتی ہیں جو تقریب یا رسم کے گھر والے مردوں سے پردہ نہیں کرتیں۔

ان عورتوں میں بعض بہت اچھا گاتی ہیں۔ کیونکہ وہ اتنا عمدہ نہ ...

لی تعلیم پاتی ہیں۔ ان کے مکانوں پر لوگ گانا سننے جمع نہیں ہوتے، چونکہ یہ خود ساز بھی بجاتی ہیں اس لئے ہمیشہ چار یا پانچ کی جماعت ہوتی ہے جن کو "طائفہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس طائفہ میں ایک اچھا گانے والی ہوتی ہے۔ باقی صرف آواز ملانے یا ساز بجانے کا کام کرتی ہیں ان کے گانے کی اجرت سات روپے روزانہ سے لے کر پچیس تیس روپے تک ہوتی ہے تمام دن میں مختلف اوقات یا اوقات رسوم میں یہ گانا گاتی ہیں۔

ان کے بعد نفس مضمون کے لحاظ سے "طوائفوں" کا تذکرہ بھی کیا جا سکتا تھا۔ اگرچہ وہ بھی عورت ہونے کے اعتبار سے ہمارے عنوان کے تحت آسکتی ہیں۔ لیکن ان کا تذکرہ اس موقع پر بالکل اس کے مماثل ہوگا۔ "ہیروں" کے ساتھ "کوئلے" کا ذکر کیا جائے اس لئے یہاں ان کو نظرانداز کیا جاتا ہے۔

البتہ اس قدر صراحت کی جا سکتی ہے کہ حیدرآباد میں اس وقت ملکی طوائفوں کی بہ نسبت زیادہ تر پردیسی طوائف آباد ہیں۔

جو ملکی ہیں وہ زیادہ تر ہندو مذہب کی ہیں۔ لیکن حیدرآبادی معاشرہ اور تہذیب کے لحاظ سے وہ اردو اور فارسی سے واقف اور اس زبان میں عام طور پر گاتی ہیں۔ ان کے گانوں سے ہرگز یہ نہیں پایا جاتا کہ اردو اور فارسی ان کی مادری زبان نہیں ہے۔ "جلوہ راز" کے نام سے ان کے تاریخی حالات بھی شائع ہوئے ہیں۔

اب جنس عورت میں صرف ایک کی صراحت رہ جاتی ہے۔ ان کو متروک کرنا بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

خاکروبنیاں :- حیدرآباد میں قدیم زمانے میں جو خاکروب تھے ان میں سے اب شاذ ہی نظر آتے ہیں۔ جو کچھ خاکروب ہیں وہ گذشتہ چالیس یا پچاس سال میں باہر سے آئے ہوئے ہیں۔ آج سے تقریباً پچاس ساٹھ سال پہلے محکمہ بلدیہ قائم ہوا اور خاکروبوں پر ٹیکس قائم ہوا تو انھوں نے اپنے کام سے کنارہ کشی کر لی۔ بہ الفاظ دیگر ہڑتال کر دی اسی وقت مولوی شاق حسین مرحوم شمالی ہند سے بیسیوں خاکروب یہاں لے آئے۔ اسی زمانے سے یہاں کے قدیم خاکروب دوسرے کاموں میں مصروف ہوگئے اور ان کی جگہ ان جدید خاکروبوں نے لے لی۔ آج ان ہی کی اولاد یہاں اس پیشہ کو انجام دیتی ہے۔ ان کا لباس، گفتگو طرز معاشرت وغیرہ سب کچھ بالکل شمالی خاکروبوں کا سا ہے۔ مردوں کے ساتھ ان کی عورتیں بھی اس پیشہ کو انجام دیتی ہیں۔ ان میں سے بعض اپنی قدیم لباس لنگا اور قمیص کے ساتھ ساڑھی بھی پہننے لگی ہیں۔

اب ہم حیدرآباد کی عورتوں کے متعلق بعض دیگر امور کا اظہار کرتے ہیں

تعلیم حیدرآباد میں اردو کی تعلیم کا شوق اور حصول علم کا ذوق دن بدن زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ ان کے شوق کا پتہ اس امر سے چل سکتا ہے کہ آج سے پچیس سال پہلے زنانہ ہائی اسکول کے تینوں شعبوں (تحتانیہ وسطانیہ اور فوقانیہ) میں طالبات کی تعداد ایک سو کے اندر تھی اور دوسرے زنانے مدرسے سے ایک دو سے زیادہ نہیں تھے۔ آج صرف زنانہ کالج میں طالبات

کی تعداد ڈھائی سو سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ نظام کالج اور میڈیکل کالج جہاں مخلوط تعلیم ہوتی ہے، میں تعلیم پانے والیوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ ان کالجوں کے سوا اب کئی ہائی اسکول اور کئی مڈل اسکول قائم ہیں۔ ابتدائی مدرسے اضلاع کے قطع نظر صرف بلدہ حیدرآباد میں بھی بہت سارے ہیں۔

اس سے واضح ہو سکتا ہے، حیدرآباد کی عورتوں میں تعلیم کا کیسا ذوق اور دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔

کالج میں تعلیم پانے والیاں نہ صرف بی اے تک تعلیم حاصل کرتی ہیں بلکہ ان کا شوق اس سے بھی آگے تک بڑھا ہوا ہے۔ چنانچہ ام اے اور ام ایس سی کی بھی تعلیم ہوتی ہے۔ ام اے کے بعض شعبوں میں جو لڑکیاں شریک ہوتی ہیں ان کی تعداد ان لڑکوں سے زیادہ ہوتی ہے جو عثمانیہ کالج کے اس شعبہ میں تعلیم پاتے ہیں۔

جامعہ عثمانیہ کے تحت "ڈاکٹری" (پی ایچ ڈی) کا شعبہ قائم ہو چکا ہے۔ اس میں بھی خواتین نے شرکت شروع کر دی ہے۔

جامعہ عثمانیہ اور مدراس یونیورسٹی (حیدرآباد کا نظام کالج مدراس یونیورسٹی کے تحت ہے) کے سوا یہاں کی طالبات کیمبرج اور پنجاب کے امتحانوں میں بھی شرکت کرتی ہیں۔ کیونکہ سرکاری محبوبیہ گرلز ہائی اسکول اور امدادی مدرسہ سینٹ جمیس گرامر اسکول میں کیمبرج کی تعلیم دی جاتی ہے اس کے علاوہ خانگی طور پر تعلیم پا کر ہر سال کئی خواتین

پنجاب یونیورسٹی کے امتحانوں منشی فاضل اور ادیب فاضل وغیرہ کے امتحان میں شرکت کرتی اور کامیابی حاصل کرتی ہیں۔ اب فارسی کے یہ امتحانات خود حیدرآباد میں جامعہ نظامیہ کی جانب سے مقرر ہوگئے ہیں یونانی طبیہ کالج میں بھی طالبات کے شریک ہونیکا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔

ان کے علاوہ بمبئی، ناگپور، علی گڑھ، دہلی، لکھنو وغیرہ میں بھی حیدرآبادی خواتین تعلیم پاتی ہیں اور ہر سال وہاں کی یونیورسٹیوں سے کامیابی حاصل کرتی ہیں۔ ان تعلیم پانے والیوں میں مذہب کی تفریق نہیں ہے مسلمان، ہندو، پارسی اور عیسائی خواتین سب ہی علم کی شائق بن رہی ہیں۔

حیدرآبادی خواتین کی علمی پیاس ان کو یورپ بھی لے جارہی ہے انگلستان کی یونیورسٹیوں کے مختلف امتحانوں میں وہ شریک ہورہی ہیں اور اعزاز کے ساتھ کامیابی حاصل کررہی ہیں۔ بہرحال اس سے واضح ہے کہ حیدرآبادی عورتوں کو تعلیم کا خاصہ شوق ہے۔

لباس :- حیدرآبادی عورتوں کا لباس آج سے چالیس پچاس سال پہلے تک مسلمانوں اور ہندوؤں کا جداگانہ تھا۔ مگر اب دونوں کے لباس میں یکسانیت پیدا ہوگئی ہے۔ البتہ مسلمان کنواری لڑکیوں کا لباس جداگانہ ہوتا ہے۔

مسلمان کنواری لڑکی پائجامہ قمیص اور دوپٹہ استعمال کرتی ہیں اور یہی لباس حیدرآبادی مسلمان عورتوں کا قدیم لباس تھا۔ ہندو

کنواری لڑکیاں ساڑی کا استعمال کرتی ہیں اور البتہ کم عمر لڑکیاں لہنگا اور جمپر وغیرہ پہنا کرتی ہیں۔

اس وقت عام لباس کے اجزا یہ ہیں ساڑی جمپر یا بلوز یا قمیص پیٹی کوٹ اور سینہ بند۔ فرق مراتب کے لحاظ سے ساڑی اور جمپر یا قمیص میں قیمتوں کا تفاوت ہوتا ہے۔

ساڑیوں کے لئے سوتی ریشمی اور ٹسر کے کپڑے استعمال کئے جاتے ہیں اگر پہلے دوپٹوں کو مصالحہ لگایا جاتا تھا تو اب ساڑیوں کو مصالحہ کی زریں کور ہوتی ہیں۔ کور کے مختلف اقسام اور نہج ہوتے ہیں۔

اسی طرح قمیص یا جمپر بلوز کی حالت ہے خصوصیت سے بمبئی میں جس وضع اور قطع کے جمپر استعمال ہوتی ہیں۔ وہی حیدرآباد میں بھی استعمال کی جاتی ہیں۔

اگرچہ ساڑی کا استعمال مسلمان اور ہندو دونوں طبقہ کے اعلیٰ اوسط اور ادنیٰ درجہ میں ہوتا ہے مگر بعض امور جداگانہ ہوتے ہیں، مثلاً دونوں کے اعلیٰ طبقہ کی ساڑیوں میں چنداں فرق نہیں ہوتا۔ جس طرح قیمتی اور جس نہج کی سوتی اور ریشمی ساڑیوں کا استعمال مسلمانوں میں ہوتا ہے وہی ہندوؤں میں ہوتا ہے، لیکن متوسط طبقہ میں ضرور فرق ہے کیونکہ متوسط طبقہ میں مسلمانوں میں عموماً سوتی ململ کی یا ٹسر کی ساڑھی باندھی جاتی ہے لیکن اکثر ہندو طبقہ میں پونا اور دکن کی سوتی ساڑیاں جو خاص قسم کی ہوتی ہیں استعمال ہوتی ہے۔

ادنیٰ طبقہ میں بھی اسی قسم کی ساڑیوں کا رواج ہے۔ یہ ساڑھیاں عموماً گہرے رنگ کی ہوتی ہیں۔ ادنیٰ طبقہ میں مسلمانوں کے سوا بعض دیگر اقوام صرف ساڑھی اور چولی پر اکتفا کرتی ہیں۔ جمپر نہیں ہوتا اور بعض ادنیٰ طبقے فرقے ایسے ہیں جو صرف ساڑی پر قناعت کرتے ہیں۔

حیدرآباد کے مسلمانوں اور ہندوؤں کے سوا پارسی، اور دیسی عیسائی وغیرہ بھی ساڑی پہنا کرتی ہیں۔ ساڑھی اس قدر مقبول ہے کہ بعض یورپین عورتیں جو مسلمان اور ہندوؤں کی بیبیاں ہیں وہ بھی ساڑھی باندھتی ہیں

حیدرآباد کی ترکی شہزادیاں یعنی ہز ہائی نس درشہوار اور شہزادی نیلوفر نے ساڑیوں کے کور کی خاص ہنج وضع کی ہے اور بڑی بڑی زرین کوروں کا استعمال ایجاد کیا ہے جو اب عام طور سے مقبول ہوتا جا رہا ہے۔

اعلیٰ طبقہ میں ہم رنگی کا بڑا خیال ہے موزے اور ہاتھ کی چوڑیاں بھی اس رنگ کی ہوتی ہیں۔ زیوروں کا استعمال کم ہوتا چلا ہے صرف ایک دو چیزیں استعمال کی جاتی ہیں۔

کھانا پینا:- حیدرآباد میں مشرقی اور مغربی دونوں قسم کے پکوان ہوتے ہیں۔ اور اعلیٰ طبقہ میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ کبھی تو خالص مغربی اور کبھی خالص مشرقی اور کبھی مشترک قسم کے کھانے ہوتے ہیں۔ اس مشترک کھانوں کو حیدرآبادی طرز کہا جا سکتا ہے۔ اعلیٰ طبقہ میں عموماً میز کرسی پر مغربی طرز کے کھانے کا طریقہ ہے۔ لیکن بڑی بڑی ضیافتوں کے موقع پر مشرقی طرز سے دسترخوان ہی پر کھانا چنا جاتا ہے۔

متوسط طبقہ میں زیادہ تر مشرقی کھانے ہوتے ہیں۔ چاولوں کا زیادہ استعمال ہوتا ہے گیہوں کی روٹی کئی طرح سے پکائی جاتی ہے۔ بعض جگہ چپاتی کا استعمال ہے تو بعض پراٹھے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن حیدرآبادی خوراک زیادہ تر چاول ہے۔

ادنیٰ طبقہ میں چاول کے ساتھ جوار کی روٹی بھی کھائی جاتی ہے مرچ کا زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ کھٹے کا استعمال بھی آب وہوا کے باعث ضروری ہے۔

ادنیٰ طبقہ میں بعض فرقے نشے کے عادی ہیں سیندھی اور دیسی شراب کے ساتھ ولایتی شراب بھی استعمال ہونے لگی ہے متوسط طبقہ کا بڑا حصہ نشے کا عادی نہیں ہے اور اعلیٰ طبقہ کو بھی اسی طرح خیال کرنا چاہئے۔

تفریح کے مشاغل اب ہم حیدرآبادی خواتین کے تفریح کے مشاغل بیان کرتے ہیں اس کی صراحت میں بھی اعلیٰ متوسط اور ادنیٰ طبقہ کو جدا جدا کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہر ایک طبقہ کی تفریح میں بہت کچھ فرق ہوتا ہے۔

ادنیٰ طبقہ کی تفریح بالکل صفر کے برابر ہے وہ بعض میلوں یا محرم میں تماشے کے لئے ضرور جاتی ہیں۔ اسی طرح سینما بینی سے کبھی کبھی تفریح ہو جاتی ہے۔ البتہ ادنیٰ طبقہ کی مسلمان عورتیں کبھی باغوں یا درگاہ وغیرہ پر جا کر اپنا وقت بسر کرتی ہیں۔

ادنیٰ طبقہ کے بعد متوسط اور اعلیٰ طبقہ کا تذکرہ کرنا چاہیے۔ متوسط طبقہ کو بھی دو اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک وہ طبقہ جو متوسط ہونے کے باوجود

اعلیٰ طبقہ کے قریب ہے اور دوسرا وہ جو متوسط ہونے کے ساتھ ادنیٰ طبقہ کے قریب ہے۔

اس متذکرہ طبقہ کی عورتوں کی تفریح سینما، یا باغوں وغیرہ تک محدود ہوتی ہے، دوسرے طبقہ اور اعلیٰ طبقہ کی تفریح میں بہت کچھ چیزیں شامل کی جاسکتی ہیں مثلاً سینما، تھیٹر اس میں انگریزی اردو ہندی سب کچھ شامل ہیں حیدرآباد میں مرہٹی یا تلنگی فلم زیادہ نہیں آتے اور نہ ان کو کوئی شوق سے دیکھتا ہے چونکہ عام طور سے اردو کا رواج ہے اس لئے اردو فلم آتے ہیں۔

ان کی تفریح کا دوسرا جز "کلب" ہے حیدرآباد میں کئی زنانہ کلب ہیں جن میں خواتین جاتی اور وقت گذارتی ہیں ان کلبوں میں تیرنے کے حوض ٹینس وغیرہ کھیل کا انتظام ہوتا ہے "برج" وغیرہ بھی کھیلا جاتا ہے۔

قدرتی مناظر آثار قدیمہ، تالابوں باغوں، جھیلوں وغیرہ میں پکنک کے لئے بھی عورتیں جاتی ہیں۔ بہرحال ان کے تفریحی مشاغل بہت کچھ ہیں، یہ کہا جاسکتا ہے کہ مردوں کے تفریح کے مشاغل اور عورتوں کے تفریحی مشاغل میں چنداں فرق نہیں ہے۔

علمی مشاغل :- عورتوں کی تفریح کے مشاغل کے بعد علمی مشاغل کی صراحت بھی کرنا چاہیے۔ علمی مشاغل میں یہاں کی عورتیں ان علمی لکچروں میں شریک ہوتی ہیں جن میں پردہ کا انتظام ہوتا ہے، لیکن ہندو اور پارسی وغیرہ جو پردہ نہیں کرتیں وہ انگریزی اور مرہٹی وغیرہ لکچروں سے استفادہ کرتی ہیں، بعض مسلمان عورتیں جو پردہ نہیں کرتیں وہ بھی ایسے لکچر سنتی ہیں۔

کتب کا مطالعہ اور اخبارات و رسائل کا مطالعہ ان کا دوسرا مشغلہ ہے۔ مطالعہ کے ساتھ مضمون نگاری اور شاعری بھی علمی مشاغل میں شامل کی جا سکتی ہے۔

علمی انجمنوں کی ممبری اور رسائل کی اڈیٹری بھی عورتوں کے علمی مشاغل میں قابل تذکرہ ہیں۔ اسی طرح لیکچر بھی علمی مشاغل میں شامل کرنا چاہئے۔ واعظ کے جلسوں میں اگرچہ یہاں کی عورتیں مذہبی حیثیت سے پس پردہ استفادہ کرتی رہیں لیکن اس کو بھی علمی مشاغل میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

سوشل مشاغل :- تفریح اور علمی مشاغل کے بعد عورتوں کے سوشل مشاغل یا سماجی مشاغل کا تذکرہ بھی نا واجبی نہیں ہے۔ سماجی اور خانہ داری کے مشاغل کی صراحت میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن طوالت کے خیال سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

دستکاری پرورش اطفال، تربیت اطفال گھریلو صنعتوں سے قطع نظر نظر جس میں اکثر عورتیں مصروف رہا کرتی ہیں۔ یہاں ان کے سوشل مشاغل کی مختصر صراحت کی جاتی ہے۔

مرکز بہبودی اطفال (چائلڈ ویلفیر) میں وہ حصہ لیتی ہیں۔ انجمن تربیت اطفال میں وہ شریک ہوتی ہیں شوشل گیدرنگ میں وہ شوق سے شریک ہونے لگی ہیں۔ مریضوں کی نرسنگ معذروں کی خدمت وغیرہ کا شوق ہو چلا ہے۔ اس طرح ان کے سوشل مشاغل بھی دن بدن زیادہ ہوتے جا رہے ہیں۔ موجودہ جنگ کے سلسلہ میں رفاہ شہری انسداد گرانی اجناس وغیرہ کے ضمن میں انکے سماجی مشاغل بہت زیادہ ہوگئے ہیں

سیاسی مشاغل :- عصر حاضر میں ہندوستان کی عورتیں جس طرح سیاست میں

حصہ لینے لگی ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اگرچہ حیدرآبادی خواتین میں سروجنی
کا نام ان کی سیاسی دلچسپی اور سیاسی انہماک کے باعث نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ
میں بھی مشہور ہے لیکن اس کے باوجود ہندوستان کے دوسرے حصوں کی عورتیں جس
طرح زیادہ سے زیادہ سیاسی امور میں حصہ لیا کرتی ہیں اس طرح حیدرآبادی عورتیں
سیاست میں حصہ نہیں لیتی تھیں۔ مگر اب گزشتہ چند سال سے یہاں کی عورتیں سیاست
میں عملی حصہ لینے لگی ہیں۔ مجلس اتحاد المسلمین اور ہندو مہا سبھا وغیرہ انجمنوں میں
وہ تقریر وغیرہ کرتی ہیں۔

چونکہ ہندوستان کے قطع نظر یہاں حکومت خود ہماری ہے اس لئے یہاں
کی عورتوں کو سیاست میں اس طرح حصہ لینے کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ ہندوستان
میں ہوتا ہے۔

حیدرآبادی عورتوں کا مستقبل :- ہم اپنے طویل مضمون کو ختم کرنے سے
پیشتر عورتوں کے مستقبل کے متعلق بھی کچھ صراحت کرنی ضروری تصور کرتے ہیں۔

ہماری عورتوں میں تعلیم کا شوق روز بروز زیادہ سے زیادہ بڑھتا جا رہا ہے
لیکن موجودہ تعلیم کی نہج وہی ہے جو ہندوستان کے دوسرے حصوں میں رائج ہے
کہ یہاں اعلیٰ تعلیم کے دو جداگانہ راستے ہیں ایک تو جامعہ عثمانیہ کے تحت اردو
زبان میں اور دوسرے مدراس یونیورسٹی کے تعلق کے باعث انگریزی زبان و انگریزی
تعلیم کی جانب یہاں زیادہ دلچسپی پائی جا رہی ہے۔ ان دونوں کے طریقوں کے
علاوہ ایک اور تعلیم بھی یہاں ہو رہی ہے، وہ کیمبرج یونیورسٹی کی تعلیم ہے حیدرآباد
کے اعلیٰ طبقہ میں اب تک عورتوں کو زیادہ تر یہی تعلیم دی جا رہی ہے۔ بعض ایسی

عورتیں ہیں جو کیمبرج کا سلسلہ ختم کر کے جامعہ عثمانیہ کی ڈگریاں حاصل کرنے لگی ہیں ۔

لیکن اس موقع پر دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہماری موجودہ تعلیم اور موجودہ نصاب ہمارے درد کی دوا اور ایسی دوا جو کارگر ہو ثابت ہو رہی ہے ۔ جہاں تک ہمارا خیال ہے موجودہ طریقہ تعلیم اور موجودہ نصاب تعلیم ہمارے درد کی پر اثر دوا نہیں ہے موجودہ تعلیم سے ہم ایسی عورتیں پیدا نہیں کر سکتے جو قوم اور ملک کے لئے سودمند ہو سکیں ۔ موجودہ تعلیم کے جو اثرات ظاہر ہو رہے ہیں وہ افسوس ناک ہیں ۔ ان کو قابل تعریف نہیں کہا جا سکتا ۔ فیشن پرستی اندھی تقلید یورپ یہ تمام جراثیم عام ہوتے جا رہے ہیں ۔

سب سے پہلے اس امر کی ضرورت ہے کہ فوراً طریقہ تعلیم اور نصاب تعلیم کو بدل دیا جائے ۔ اعلیٰ تعلیم کی بے شک ضرورت ہے ۔ لیکن اس سے زیادہ ادنیٰ اور اوسط تعلیم کی جانب توجہ کرنے کی ضرورت ہے ۔ ہمیں اس امر پر غور کرنا چاہئے کہ تعلیم کا وہ کیا طریقہ ہو گا جس کی بدولت ہر پیشے کے مرد کو اس کی شریک زندگی سے اپنے پیشے کے کاروبار میں حقیقی اعانت حاصل ہو سکے ۔ عام قومی صحت اور تنومندی کی خاطر ضروری ہے کہ ہر عورت ابتدائی اصول حفظان صحت اور بچوں کے عام رکھ رکھاؤ اور ان کو بحال اور خوش رکھنے کے عملی طریقوں سے واقف ہوں ۔

ہمیں ضرورت ہے کہ ہماری عورتوں کو ایسی تعلیم دی جائے کہ وہ مشرقی اور مغربی تمدن اور تہذیب کی خوبیوں اور برائیوں کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں ۔ بہرحال موجودہ تعلیم کے اثرات کچھ زیادہ مفید نہیں رہیں ۔ اس وقت

ہماری عورتوں کا مستقبل خوش آئند نہیں ہو سکتا جب تک موجودہ
نصابِ تعلیم نہ بدل دیا جائے۔

تعلیم کے ساتھ معاشرت پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ نکاح بیوگان، کمسنی کی شادی، طلاق، اور خلع، شادی اور بیاہ کے مراسم وغیرہ کے متعلق اسلام نے بہت پہلے واضح طور سے دنیا کی رہبری کر دی ہے۔ انکو جو پس پشت ڈال دیا گیا ہے وہ ہماری ترقی پسندی کی اچھی علامت نہیں ہے۔ ہندو برادری کو ان قیود و بند سے نکلنے کے لئے مسلمانوں سے زیادہ ہمت اور بلند نظری کی ضرورت ہے، بچپن کی شادی اور عقد بیوگان کے لئے حد سے زیادہ کوشش کی ضرورت ہے۔

تعلیم اور اچھی معاشرت کا اصلی مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ان سے اپنی حقیقت پہچانیں، ذات پسندی، خود پرستی کے گرداب سے نکل کر عام انسانی مساوات اور خلق کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ یورپ اپنی تہذیب اور آزادی نسواں کے باعث جو ثمرات حاصل کرتا رہا ہے اور یورپ کی بعض حکومتوں میں عورتوں کو جس طرح بے قیود کر دیا گیا ہے وہ ہمارے لئے ایک سبق ہے۔ اپنی عورتوں کے لئے آنکھ بند کر کے وہی شاہراہ ترقی تصور کر لیا جائے۔ مشرق اور مغرب کی خوبیوں کا امتزاج ترقی کا راستہ کھول سکتا ہے۔ اگر وہ ایک طرف مغربی تمدن اور تہذیب سے واقف ہو کر ملک کے کام آنے کے قابل ہو جائیں تو دوسری طرف مذہب کے پاکیزہ اصولوں سے واقف ہو کر اپنی تعلیم یافتگی کو اس طرح سے کام میں لائیں کہ قدیم مشرقی شرافت و عصمت کو چار چاند لگ جائیں۔ فقط۔

خواتین دکن کی ادبی خدمات

ہر قوم کے تمدن میں "زبان" کا خاص درجہ ہوتا ہے، زبان کی ترقی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس میں ادبی ذخیرہ کثرت سے فراہم نہ ہو، ادبیات کی ترقی کے ساتھ ساتھ زبان کی وسعت اور زبان کی ترقی ہوتی ہے، وہ قوم اور وہ ملک سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور مہذب کہلاتا ہے جس میں ادبیات کا کافی ذخیرہ ہو، یا تصور کرنا چاہیئے کہ "ادب" ایک کسوٹی ہے جس پر ہر زبان کو پرکھا جاتا ہے۔

"لٹریچر" یا ادبیات میں کئی چیزیں شامل ہیں، مثلاً شاعری" مضمون نگاری افسانے، ناول، ڈرامے، اور خطوط وغیرہ، ان ہی عنوانات کے تحت ہم یہاں کچھ صراحت کریں گے۔

شاعری: ۔ ادب کی ایک اہم شاخ شعر گوئی ہے، نظم انسان کو بالطبع مرغوب ہے، بہ نسبت نثر کے نظم زیادہ موثر ہوتی ہے۔

نظم کا احاطہ نہایت وسیع ہے۔ اگر نظم میں مذہب اور اخلاق کو بیان کیا جاسکتا ہے تو پھر اسی نظم کے قالب میں تاریخ اور سوانح بھی بیان کی جاسکتی ہے نظم کے جامے میں فلسفہ اور تصوف کے نکات پیش کئے جاسکتے ہیں تو پند و نصیحت بھی بیان کی جاسکتی ہے، نظم میں رزم و بزم کی تصویر کھینچی جاسکتی ہے، مناظر قدرت کی نیرنگی اور خوشنمائی، فطرتی اشیاء کی ترجمانی نظم کی صورت میں بہتر سے بہتر طریقے سے ہوتی ہے، قوم اور ملک کو بیدار کرنے، جوش و ہمت دلانے، شاہراہ ترقی پر قدم بڑھانے کی لئے نظم ہی موزوں خیال کی جاتی ہے میدان جنگ میں بہادری اور دلاوری کے جوہر دکھانے کی ترغیب نظم ہی سے وابستہ ہوتی ہے، اگر نظم کے ذریعہ ہنسایا جاتا ہے تو اسی میں مرثیہ اور نوحہ کہہ کر رلایا جاتا ہے اگر کسی کی مدح اور ستائش کر کے آسمان پر چڑھایا جاسکتا ہے، تو کسی کی ہجو کہہ کر اس کو تحت ثری پر پہونچایا جاسکتا ہے، غرض کہ شاعری یا نظم نگاری سے بیسیوں کام لئے جاسکتے ہیں۔

اردو شعر گوئی میں خواتین دکن نے جو حصہ لیا ہے اس کی تفصیلی وضاحت اس مختصر مضمون میں دشوار ہے البتہ اجمالاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ عصر حاضر میں ایک سو سے زیادہ خواتین شعر گوئی کی حیثیت سے پیش ہوسکتی ہیں، جن میں سے کئی خواتین شعر گوئی کے لحاظ سے بلند مرتبہ رکھتی ہیں، ان کا کلام پسندیدہ اور شائستگی کا اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے انکی شاعری اکثر ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔

ہماری شاعر خواتین کا کلام قدیم طرز کی شاعری پر محدود نہیں ہے، بلکہ جدید خیالات اور جدید طرز کی شاعری میں بھی وہ خاصہ حصہ لیا کرتی ہیں،

اگر ان کے کلام میں قدیم طرز کی عشق و عاشقی، گل و بلبل، شاہد و ساقی کی داستانیں اپنی رنگین و شیریں بیانی جدت آفرینی اور زبان کی لطافت کے لحاظ سے قابل ستائش ہوتی ہے، تو جدید طرز کی شاعری جو ملک اور قوم کو بیدار کرتی، مناظر قدرت اور نیچر کی ترجمانی کرتی ہے۔ خیالات کی بلند پروازی اور جدت، زبان کی صفائی اور سادگی، اسلوب بیان کی ندرت اور نزاکت کے لحاظ سے قابل داد ہوتی ہے۔

عصر حاضر میں جن خواتین دکن نے شاعر کی حیثیت سے نام و نمود پیدا کیا ہے اور جن کے کلام نے کافی شہرت حاصل کرلی ہے، ان میں سے بعض کا مختصر تعارف اس موقع پر بے محل نہیں ہو سکتا۔

سب سے پہلے بشیر النساء بیگم بشیر، رابعہ بیگم رابعہ، راحت النساء بیگم راحت، رحمت بیگم آسیر، نوشابہ خاتون نوشابہ، لطیف النساء بیگم لطیف، صفیہ بیگم قمر وغیرہ کا نام لینا چاہئے۔ جو اپنے ہمعصروں میں ممتاز حیثیت رکھتی ہیں۔

بشیر کو نظم نگاری اور غزل گوئی کا بہت اچھا ملکہ ہے۔ ان کے کلام کا مجموعہ عنقریب شائع ہونے والا ہے۔ رابعہ بیگم کو فطرتی اشیاء کی ترجمانی کا خاصہ سلیقہ ہے، ان کی نظمیں قابل قدر ہوتی ہیں۔ آسیر اور راحت کو غزل گوئی وغیرہ میں اچھی مہارت ہے۔ ان کے کلام میں زبان کی لطافت اور رنگینی کے جوہر پائے جاتے ہیں۔ نوشابہ خاتون جامعہ عثمانیہ کی پہلی بی اے خاتون ہیں۔ ان کے کلام کا مجموعہ "موج تخیل" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ نوشابہ خاتون کا کلام سوز و گداز کے لحاظ سے قابل ستائش ہے۔ لطیف النساء بیگم نے بچوں کے لئے

نظم لکھنے کی اچھی مشق کر لی ہے۔ انیسہ بیگم اور صفیہ بیگم کی نظمیں قابل قدر ہیں۔ مبارک بانو شمیم اور حمیدہ بانو مخفی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جو نظم گوئی اور غزل گوئی میں خاصی مہارت رکھتی ہیں۔

ان کے علاوہ بیسوں خواتین ہیں جن کی شاعری قابل داد اور لائق تحسین ہوتی ہے۔ ان کے نام بھی طوالت کا موجب ہوں گے۔

مضمون نگاری:۔ ادب کا ایک شعبہ مضمون نگاری ہے جو ہماری ادبی کوششوں کا نچوڑ ہوتا ہے۔ نثر کے ذریعہ سنجیدہ اور متین مسائل سمجھائے جاتے تحقیقات اور انکشافات کو واضح طور پر ذہن نشین کرایا جا سکتا ہے۔

نثر نگاری کے بیسوں اقسام اور بیسوں موضوع ہیں۔ ادب کی جو گراں بہا اور بیش قیمت خدمت نثر نگاری کے ذریعہ ہو سکتی ہے وہ ایک حقیقت نفس الامر ہے۔

خواتین دکن نے نثر نگاری کے ذریعہ اردو ادب کی جو خدمت انجام دی اور دے رہی ہیں اس کی صراحت طویل صفحات کی خواہاں ہے۔ اس موقع پر ہم صرف نثر نگار خواتین کے نام بھی پیش نہیں کر سکتے چہ جائے کہ ان کے کارناموں کی تفصیل کی جا سکے۔ البتہ بعض ممتاز نثر نگار خواتین کا نام لیا جا سکتا ہے جن کی ادبی خدمتیں فروگذاشت نہیں کی جا سکتیں۔

ان خواتین میں سب سے پہلے طیبہ بیگم مرحومہ کا نام لینا چاہئے اگر وہ آج زندہ نہیں ہیں، مگر انہوں نے جو داغ بیل ڈالی تھی، جو بنیاد قائم کی تھی وہ آج مستحکم ہو چکی اور ہرا بھرا ہو کر پھول پھل رہا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ

اب ادارۂ ادبیات اردو کے شعبۂ نسواں کی جانب سے ان کے اعلیٰ اور بلند پایہ مضامین کتابی صورت میں رسائل طیبہ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں،

اس تفصیل میں صغرا بیگم ہمایوں مرزا کا نام لینا ضروری ہے جن کی اب تک چودہ پندرہ کتابیں مختلف عنوان کے تحت شائع ہو چکی ہیں، اور مضامین جو مختلف رسالوں میں شائع ہوا کرتے ہیں ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے، ان کی ادبی دلچسپی اور انہماک ہر آئینہ مستحق تقلید ہے،

اس کے بعد جہاں بانو بیگم نقوی لطیف النسا بیگم اور سکینہ بیگم کے ناموں کی صراحت بھی ضروری ہے۔ جہاں بانو بیگم کے ادبی دلچسپ اور پر از معلومات مضامین دکن اور ہندوستان کے رسالوں میں تعریف کے ساتھ شائع ہوتے ہیں، رسالہ شہاب کے حصہ نسواں کی اڈیٹرس کی حیثیت سے آپ جو ادبی خدمت انجام دے رہی ہیں وہ مستحق ستائش ہے۔ اسی طرح سکینہ بیگم مدیرہ ودسیہ رس، اور ادارۂ ادبیات اردو کے شعبہ نسواں کے سکریٹری کی حیثیت سے جو ادبی کام کر رہی ہیں وہ ہر طرح تعریف و توصیف کے قابل ہے۔

حیدرآباد اور ہندوستان کے زنانہ اور مردانہ رسالوں اور اخبارات میں بیسیوں خواتین دکن کے مضامین جو مختلف موضوع پر ہوتے ہیں تعریف و ستائش کے ساتھ شائع ہوتے ہیں، ان مضامین کی زبان صاف، اسلوب بیان پسندیدہ اور طرز نگارش دلچسپ ہوتا ہے۔ دختران جامعہ عثمانیہ اور عمیرہ عثمانی خود اپنی جو نام و نمود مضمون نگاری کی حیثیت سے پیدا کر رہی ہیں وہ ایک درخشاں مستقبل کا پیش خیمہ ہے۔

ناول اور افسانے :- نظم سے جس طرح انسانی دل پر اثر ہوتا ہے اسی طرح دلچسپ قصے کے پیرائے میں کسی تاریخی، اخلاقی یا معاشرتی پہلو کو بیان کرنا خاص طور پر موثر ہوتا ہے۔ خشک فلسفیانہ مضامین سے بڑھ کر افسانے زود اثر ہوتے ہیں۔ انسانی فطرت اس امر کی متقاضی ہے کہ ان کے دماغ کے لئے عمدہ عمدہ غذا میسر ہو اور ان کی دلبستگی کے لئے ایسی کہانیوں کی ضرورت ہے جن میں زیادہ تر ان کے ابنائے جنس کے واقعات اور حالات اس طرح بیان کئے گئے ہوں جو یا تو سچ معلوم ہوتے ہوں یا ایسے ہونے کی قابلیت رکھتے ہوں،

ناول ایک فوٹو یا آئینہ ہے جس سے زمانہ گزشتہ کے حالات اور موجودہ زمانہ کے واقعات اصلی رنگ و روغن میں نظر آتے ہیں۔ واقعات کے انتخاب اور ان کی مناسب ترتیب سے پلاٹ بنتا ہے۔ اس میں حرکت روانی اور جوش پایا جانا چاہئے۔

پلاٹ کی طرح کردار نگاری ہے۔ جن اشخاص کا اس میں ذکر ہوتا ہے ان کی پوری تفصیل اس طرح ہونی چاہئے کہ وہ انسان کی طرح چلتے پھرتے، کام کرتے بولتے زندہ معلوم ہوں، قصے کے اشخاص کا تعلق جس زمانے اور جس مقام سے ہوتا ہے اس زمانے اور مقام کی تمام خصوصیات سے ناول نگار کو واقف ہونا چاہئے تاکہ اس وقت کے رسم و رواج تمدن اور تہذیب کا پورا پورا حال اس ناول سے معلوم ہو سکے، غرض جو قصہ ناول یا افسانے میں بیان کیا جائے وہ ہر طرح اصلی معلوم ہو۔ اس کا کوئی پہلو عقل کے خلاف نہ ہو۔

ان تمام امور کو پیش نظر رکھ کر جب ہم دکن کی خواتین کے کارنامے

نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ناکامی نہیں ہوتی، اور ہم بمسرت یہ کہہ سکتے ہیں کہ خواتین دکن نے اس قسم کی ادبی خدمت بھی انجام دی ہے۔

"انوری بیگم" اور "حشمت آرا" کے نام سے دو ناول ایسے پیش کئے جا سکتے ہیں جو اصلاح معاشرت کے لئے لکھی گئی ہیں، ان میں حیدرآباد کے تمدن تہذیب کی سچی اور اصلی تصویر کھینچی گئی ہے، حقوق نسواں، تعلیم نسواں، پرانے توہمات اور تعصبات، رسم ورواج، روزمرہ کے کام کاج، بیکار اور فرصت کے مشاغل وغیرہ امور بہت دلچسپ طریقے سے بیان کئے گئے ہیں۔

ان دونوں ناولوں کی مصنفہ مرحومہ طیبہ بیگم ہیں جن کا تذکرہ اس کے پہلے ہو چکا ہے، صغرا بیگم ہمایوں مرزا کے ناول سرگذشت ہاجرہ اور موہنی کا تذکرہ بھی یہاں ضروری ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے دلچسپ اور مفید ہیں۔

مختصر افسانے:- موجودہ زمانے میں مختصر افسانوں نے بڑی اہمیت حاصل کرلی ہے، اس قسم کا بڑا ذخیرہ ہر زبان کے ادبیات میں فراہم ہو گیا ہے طول طویل ناول کے بجائے مختصر افسانے جو چند اوراق میں ختم ہو جاتے ہیں زیادہ پسند کئے جاتے ہیں۔

ناول اور افسانے کے لئے جو امور ضروری ہیں وہی مختصر افسانوں کے لئے درکار ہیں، مختصر افسانے بیسیوں عنوان اور موضوع پر لکھے جاتے ہیں اردو زبان میں اب اس قسم کا ادبی ذخیرہ کافی حد تک فراہم ہو گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس امر کی صراحت ناگزیر ہے کہ بہترین افسانوں

کی تعداد ہے جو ہر حیثیت سے قابل ستائش اور لایق داد ہوں کم ہے، اور چند ہی افسانہ نگار کامیاب افسانہ نگار کی حیثیت سے پیش کیے جاسکتے ہیں۔

مختصر افسانہ نگار کی حیثیت سے ہندوستان کی کئی خواتین متعارف کی جاسکتی ہیں جن میں مسز حجاب امتیاز علی کا نام اس عنوان میں سر فہرست ہونا چاہیئے، جو دنیائے اردو میں اپنے خزینۂ افسانہ نگاری کے باعث امتیاز رکھتی ہیں۔ مسز حجاب کی پیدائش اور ابتدائی پرورش حیدرآباد میں ہوئی اور پھر بدر اس کی سرزمین میں انھوں نے افسانہ نگاری میں امتیاز حاصل کیا ہے

موجودہ زمانے میں کئی خواتین مختصر افسانے تلمبند کرتی ہیں، ان کے ترجمے اور طبع زاد دونوں افسانے ہوتے ہیں۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ خواتین دکن کے افسانے بہر طور قابل ستائش ہیں اور ان میں کوئی خامی نہیں ہوتی، اس قسم کا دعوی کرنا ابھی قبل از وقت ہے۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کامیاب افسانے لکھنے کی ضرور کوشش کی جارہی ہے۔ اور توقع ہے کہ آئندہ بہترین نتائج رونما ہوسکیں،

دختران جامعہ عثمانیہ اور غیر عثمانی خواتین کے بیسیوں نام اس عنوان میں بیان کئے جاسکتے ہیں۔ خصوصاً جہاں بانو بیگم کا نام فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ جن کے افسانوں کا مجموعہ "رفتار خیال" کے نام سے شائع ہوکر منظر عام پر آچکا ہے۔

ڈرامے:- ادبیات کی ایک اہم شاخ ڈرامہ نگاری ہے اس خصوص میں اردو زبان میں ایسا ذخیرہ بہت کم ہے، جس پر فخر کیا جاسکے، اچھے

ڈراموں کی شدید ضرورت ہے خوشی کی بات ہے کہ اب پنجاب، دہلی اور حیدرآباد میں اس کی جانب توجہ کی گئی ہے۔

پنجاب اور دہلی سے قطع نظر حیدرآباد میں اس کی طرف خاص توجہ ہو چکی ہے۔ اب تک کئی ڈرامے لکھے گئے ہیں اور اسٹیج پر کامیاب طور پر ان کو بتایا گیا ہے۔ ان ڈراموں میں مولوی فضل الرحمٰن صاحب بی اے ناظم لاسلکی کے ڈرامے خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں جو اپنی خوبیوں کے باعث عام مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔

بعض حیدرآبادی خواتین نے بھی اس کی جانب توجہ کی ہے۔ چنانچہ خدیجہ بیگم کا نام اس عنوان میں قابل تذکرہ ہے جنھوں نے بچوں کے لئے کئی ڈرامے لکھے ہیں ان کے علاوہ مس تینی نندی کا نام بھی لیا جا سکتا ہے انھوں نے اپنے والد ڈاکٹر جارج نندی کے ایک انگریزی ڈرامے کو اردو کا لباس پہنایا ہے، اور بمبئی ٹاکیز نے کسی قدر ترمیم کے بعد "عزت" کے نام سے اس کو فلم میں پیش کیا ہے، مس جیسی نے اس کے علاوہ بھی چند ڈرامے قلمبند کئے تھے مگر وہ شائع نہیں ہوئے۔

خطوط:۔ ادب کا ایک جزو خطوط بھی ہے۔ ہر زبان کے ادبیات میں اس کا بھی ذخیرہ ہوتا ہے

"ربط ناہید" کے نام سے جو مجموعہ خطوط شائع ہوا ہے وہ ہمارے ادب کا بہترین نمونہ کہا جا سکتا ہے۔

جہاں بانو بیگم نقوی کا تعارف اس عنوان میں ضروری ہے ان کے

خطوط جو رسالہ شہاب وغیرہ میں اکثر شائع ہوتے ہیں ہمارے ادبیات میں گران قدر اضافہ کا موجب ہوتے ہیں بعض اور خواتین بھی اس میں حصہ لیتی ہیں

مزاحیہ نگاری :- ادبیات کی ایک شاخ مزاحیہ نگاری بھی ہے، طنز اور مزاح کے ذریعہ بہت کچھ بیان کیا جاسکتا ہے۔ معاشرت اور سماج کی اصلاح کے لئے اس سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ اردو زبان میں کئی اچھے مزاحیہ نگار موجود ہیں۔ مردوں کے دوش بدوش خواتین بھی حصہ لے رہی ہیں۔ چنانچہ مسز حجاب امتیاز علی کی کتاب ''تحفے'' جنس نازک کے مزاحیہ نگاری کا پہلا نمونہ ہے۔ عصمت چغتائی نے بھی مزاحیہ نگاری میں نام پیدا کیا ہے۔

حیدرآباد سے آصف جہاں بیگم نے ''گل خندان'' شائع کرکے ایک کمی پوری کردی ہے۔ آصف جہاں بیگم کے مزاحیہ مضمون ہر حیثیت سے قابل ستایش ہوتے ہیں۔

تنقیدی کتابیں :- اردو زبان میں تنقیدی کتابیں مرتب کرنے کا سہرا مولانا شبلی اور حالی کے سر ہے۔ جنگ عظیم کے بعد اس نہج کا زیادہ ذخیرہ فراہم ہوا ہے۔

خواتین دکن نے بھی اس خصوص میں اپنے نقش ثبت کئے ہیں چنانچہ ''نذر دلی'' ''محمد حسین آزاد'' اردو شاعری میں تصوف مولانا شبلی اور ان کی نثر، ظفر اور اسکی شاعری ''سر سید کے اردو خدمات'' اس

سلسلہ کی کتابیں ہیں۔

"نذرِ ولی" جامعہ عثمانیہ کے چار طالبات کے مقالوں کا مجموعہ ہے جو ولی کے متعلق لکھے گئے ہیں ان کی صراحت حسب ذیل ہے۔

(۱) ولی کا تخیل - لطیف النساء بیگم

(۲) کلام ولی اور تصوف - نجم النساء بیگم

(۳) ولی کی معلومات اور خصوصیات شاعری - نعیم النساء بیگم

(۴) ولی کا فن شاعری - جہاں بانو بیگم۔

اس کتاب کے متعلق مشاہیر اردو نے بہترین آرا کا اظہار کیا ہے۔

"محمد حسین آزاد" جہاں بانو بیگم کا وہ مقالہ ہے جو امتحان ایم اے کے لئے مرتب کیا گیا تھا۔ اس میں آزاد کی نظم و نثر پر تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے آخرالذکر چار مقالے بھی ایم اے کے امتحان کے سلسلہ میں مرتب ہوئے تھے اگرچہ یہ ہنوز شائع نہیں ہوئے۔ مگر جن اصحاب نے ان کو دیکھا ہے ان کی رائے میں یہ کتابیں فن تنقید کے اچھے مقالے قرار پاتے ہیں۔

آخر پر "ادارہ ادبیات اردو" کے شعبۂ نسوان کا تذکرہ بھی نہایت ضروری ہے اس کی صدر رابعہ بیگم (مسز انوراللہ) معتمد سکینہ بیگم (مسز رحمت اللہ) شریک معتمد بشیر النساء بیگم (مسز ضامن علی) ہیں۔ اور ارکان میں جہاں بانو بیگم، سارہ بیگم، لطیف النسا بیگم، بلقیس بانو بیگم، اور تصدق فاطمہ بیگم شامل ہیں۔

توقع ہے کہ آگے چل کر یہ ادبی ادارہ اپنے پرجوش اور مستعد

کارکنوں کی دلچسپی کے باعث خواتین دکن میں نئے خیالات نئی امنگیں
پیدا کرنے میں اپنی آپ نظیر ہوگا۔

ہمارے اس مضمون سے اس امر کا اندازہ کیا جاتا ہے کہ خواتین دکن بھی اردو ادب کی خدمت گزاری میں کسی اور ملک سے پیچھے نہیں ہیں۔ ان کے خدمات قابل قدر اور لایق تحسین ہیں اور امید ہے کہ آنے والی نسل کے لئے اپنا اچھا نمونہ اور شاندار نقش چھوڑ جائیں۔

جدید ادب نسواں

اردو زبان اور ادب پر گزشتہ پانچ سو سال سے مختلف دور گذر چکے ہیں اور آج وہ معراج کمال پر پہونچنے کے سامان کر رہی ہے۔ علوم و فنون اور ادب کا گراں مایہ ذخیرہ فراہم ہوتا جا رہا ہے۔ جو نہ صرف غیر زبانوں کے ترجمون مشتمل ہے، بلکہ مستقل تصانیف پر بھی حاوی ہے۔ دوسرے ملکوں کی ترقی اور ان کے ادبیات کے مطالعہ سے ہمارے خیالات میں جو نمایاں تبدیلی ہوئی ہے۔ نیا ادب اس کا نتیجہ ہے جس کی ابتدا گزشتہ دس بارہ سال سے ہوئی ہے۔

یہ موقع نہیں ہے کہ "جدید ادب" کی خصوصیات یا اس کے رجحانات کو تفصیل سے بیان کیا جائے، اس لئے ایک علیحدہ مضمون کی ضرورت ہے ہمارا موضوع اس وقت تکمرۂ آمنی کا "جدید ادب نسواں" ہے۔ اس لئے مختصر طور پر اس کی صراحت کی جاتی ہے۔

ادب کی تقسیم اولاً نظم اور نثر پر کی جاسکتی ہے اس لئے ہم ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ اظہار خیال کریں گے۔

یہ صحیح ہے کہ زمانہ دراز سے خواتین دکن اردو نظم کی خدمت کر رہی ہیں
لیکن ان کا تمام تر سرمایہ قدیم طرز کی شاعری پر مشتمل ہے جس میں وہی گل و بلبل
ور شاہد و ساقی کی فرسودہ داستانیں، ہجر و وصال کے افسانے، معشوق کی بے وفائی
ور ہرجائی پن کا رونا پیٹنا ہے۔ لیکن موجودہ زمانے میں اس میں بہت کچھ تغیر ہو گیا
ہے عصر حاضر سے وہ پوری طرح متاثر ہوئی ہیں اور نظم گوئی کی جانب زیادہ سے
یادہ متوجہ ہوتی جا رہی ہیں اس کے ثبوت میں کئی نظائر پیش کئے جا سکتے ہیں۔

موج تخیل:۔ یہ نوشابہ خاتون بی اے (عثمانیہ) کے کلام کا مجموعہ ہے اس کی
نظموں کے بعض عنوان یہ ہیں۔ زندان مسلم۔ قومی گیت، خسرو خاور۔ زندگی کیا ہے
رقع حسرت۔ جان زندگی، نغمۂ حیات، ترانۂ عمل۔ مرقع لیلیٰ، مرقعۂ غم۔
یاد مسلم۔ دلی کی گڑیا۔ فغان مظلوم اشک حسرت، پولیس کی لاٹھی وغیرہ ان
ے واضح ہو سکتا ہے کہ "موج تخیل" میں تخیل کی موج کن کن موضوعات
سے گذری ہے ان کی شاعری ایک ہمدرد قوم کے دل کی پکار ہے، جو ہمیں
پنی قوم کی پستی کا احساس کراتی ہے اور قوت عمل کو ابھارتی ہے۔ نوشابہ
اتون جامعہ عثمانیہ کی وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے کلیہ اناث کے قائم ہونے
ے قبل بی اے کی ڈگری حاصل کی۔

نوشابہ خاتون کے بعد بشیر النساء بیگم بشیر کا نمبر آتا ہے، حیدرآباد کا کوئی
نہ علمی، ادبی یا معاشرتی جلسہ ایسا نہ ہوگا جس میں بشیر النساء بیگم نے اپنی نظمیں سنا کر
اج تحسین حاصل نہ کیا ہو، ان کی نظمیں خواتین میں جوش اور عمل پیدا کرنے
اچھا ذریعہ ثابت ہو رہی ہیں، اگرچہ اب تک بشیر النساء بیگم کے کلام کا کوئی

مجموعہ شائع نہیں ہوا ہے، لیکن رسالوں کے علاوہ متفرق طور پر بھی ان کی نظمیں شائع ہوتی ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی شاعری میں قومیت، اخلاق اور جدت موجود ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ وہ اقبال کے رنگ میں اتنا کامیاب لکھ جاتی ہیں کہ اقبال کے کلام کا دھوکا ہونے لگتا ہے۔

لطیف النساء بیگم ایم اے (عثمانیہ) بچوں کی نظموں کے لئے مشہور ہیں۔ اور بچوں کی نظمیں لکھنا جتنا مشکل ہے ظاہر ہے۔ اسمٰعیل میرٹھی کے سوا ہم کسی ایسے شاعر کو پیش نہیں کر سکتے، جو بچوں کا شاعر کہلا سکے۔ اس کی طرف ہمارے شاعروں کو خاص طور پر متوجہ ہونا چاہئے اور خوشی کی بات ہے کہ لطیف النساء بیگم نے اپنے لئے یہی میدان منتخب کیا ہے۔ اس سلسلہ میں مسز برکت رائے کا نام بھی آتا ہے۔ ان کی نظمیں "بچوں کے بتاشے" کے نام سے شائع ہوئی ہیں بچوں کے لئے دلچسپی کا سامان رکھتی ہیں،

شاعری کے سلسلہ میں صفیہ بیگم قمر، انیسہ بیگم شیردانی، رابعہ بیگم ف بیگم ادا، رحمت بیگم اسیر، مبارک بیگم شمیم کے نام بھی لینا ضروری ہے جن کی نظموں سے جدید ادب نسواں میں اضافہ ہو رہا ہے۔

نثر میں جو قدیم ذخیرہ ہمیں ملتا ہے وہ صرف چند افسانوں ناولوں اور سفرناموں پر مشتمل ہے، اور اس کی فہرست زیادہ سے زیادہ ایک دو درجن تک پہونچ سکتی ہے۔ لیکن گزشتہ چار یا پانچ سال کے عرصہ میں جو ذخیرہ خواتین دکن نے مرتب کیا ہے وہ گزشتہ نصف صدی کے ذخیرہ سے بہت زیادہ ہے اور پھر فنوں کی نوعیت کے لحاظ سے بھی ہمہ گیر ہے۔

مجھے کہنے دیجئے کہ اب اس امر کی ضرورت نہیں ہے کہ مولانا نذیر احمد اور راشد الخیری کی طرح عورتوں کی اصلاح معاشرت اور ان کی زندگی کے سدھار پر مرد خامہ فرسائی کریں۔ اور قاضی عبد الغفار صاحب کی طرح "لیلیٰ" کے فرضی خطوط لکھکر عورتوں کے دلی جذبات کی ترجمانی کی جائے۔ کیونکہ خواتین خود بیدار ہو گئی ہیں اور ان کے قلم میں اتنا زور پیدا ہو گیا ہے کہ ان کو مردوں کی امداد کی پروا نہیں، ہم اپنے دعوے کے ثبوت میں حسب ذیل کتابیں پیش کر سکتے ہیں۔

نذر ولی ۔ تنقید جس قدر اہم ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ہمارے یہاں تنقید کا فن بہت کچھ تشنہ ہے۔ اور اردو ادب میں اس فن کی کتابوں کی شدید ضرورت ہے "نذر ولی" فن تنقید کی بہترین کتاب ہے اس میں ولی کی شاعری پر جتنے پہلوؤں سے تنقید کی گئی ہے وہ ہمارے ادب میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔ نذر ولی جامعہ عثمانیہ کی فارغ التحصیل خواتین کی تصنیف ہے جس کو پڑھ کر بڑے بڑے نقادوں نے تعریف کی ہے۔

محمد حسین آزاد:۔ یہ جہاں بانو بیگم ایم اے (عثمانیہ) کی قابل قدر کتاب ہے۔ دراصل یہ ان کا وہ مقالہ ہے۔ جس پر اُن کو ایم اے کی ڈگری ملی ہے۔ آج تک اردو زبان میں مولانا آزاد پر اس سے بہتر اور اس سے بسوط کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی ہے۔ اس کتاب میں مولانا آزاد کی سوانح عمری کے علاوہ ان کی نظم و نثر پر بہ وضاحت روشنی ڈالی گئی ہے اور بے لاگ تنقید کی گئی ہے۔ مولانا آزاد ان شخصوں میں ہیں جن پر زبان اردو

کو ناز ہے۔ لیکن افسوس کہ زبان اردو میں اپنے محسن پر کوئی مستقل تصنیف نہیں تھی۔ فاضل مصنفہ نے اس کمی کو نہایت خوش اسلوبی سے پورا کر دیا ہے۔

تنقیدی مضامین کے سلسلہ میں بعض اور کتابوں کا تذکرہ بھی ضروری ہے مثلاً نعیم النساء بیگم کا مقالہ مولانا شبلی بتیسم زبانی صاحبہ کا تلفر اور اس کی شاعری لطیف النساء بیگم کا مقالہ "اردو شاعری میں تصوف" اگرچہ یہ کتابیں شائع نہیں ہوئی ہیں۔ مگر جن لوگوں نے ان کے مسودوں کو دیکھا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ مقالے اردو ادب میں قیمتی اضافہ کا موجب ہیں۔ بلقیس بانو نے "رمز حیات" کے سے اقبال کے کلام پر تنقیدی نظر ڈالی ہے

پر لبط ناہید: ۔ جدید ادب نسواں میں اس کتاب کو خاص اہمیت حاصل ہے، یہ ناہید کے خطوط کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کا پیش لفظ راقم نے لکھا ہے، اس لئے یہاں پر اپنی رائے کے بجائے ڈاکٹر زور کی تنقید کا اقتباس دیا جاتا ہے جس سے معلوم ہو سکیگا کہ "پر لبط ناہید" کیا ہے۔

"اس کتاب کے مطالعے کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ اب مردوں کو صنف نازک کی ترجمانی کی ضرورت نہیں، یا یوں کہیے کہ عورتیں اب مرد ترجماں سے بے نیاز ہو چکی ہیں۔ نسوانی سینے میں جذبات کا جو تار چڑھاؤ رہتا ہے، اس کی آئینہ داری مرد سے کیونکر ہو سکتی ہے۔ جس پر اپنی جنس کی کثافت کا زنگ چڑھا رہتا ہے اس کے لئے تو کسی نسوانی قلم ہی کی ضرورت ہے اور پر لبط ناہید کی مصنفہ نے اپنے خطوط کی رعنائی اور رنگینی کے ذریعہ سے ثابت کر دیا ہے کہ واقعی صنف نازک کے دل کی گہرائیوں تک پہونچنا اور عہد حاضر کے تعلیم یافتہ طبقہ

طناز کو سمجھنا آسان کام نہیں ہے"

نذر دکن :- ہمارے جدید ادب نسواں میں نذر دکن کو بھی شامل کرنا چاہیئے اگرچہ بعض اصحاب نے اس کو "تنقید کی آگ" میں جلا کر ناقص اور ناکارہ قرار دیا ہے، لیکن انصاف یہ ہے کہ نذر دکن ایک بہترین کتاب ہے جو تنقید کی آگ میں جل کر بھی راکھ نہ ہو سکی، اس میں دکن کی تاریخ، طرز معاشرت اور علم و ادب پر معیاری مضامین ہیں جن کو سکینہ بیگم صاحبہ نے مرتب کیا ہے۔

من کی بپتا، رموز خانہ داری، اور علم خانہ داری، یہ تینوں کتابیں علی الترتیب لطیف افسار بیگم، جہاں بانو بیگم اور محمود صدیقی کی لکھی ہوئی ہیں من کی بپتا میں ہمارے متوسط طبقہ کی خواتین کی معاشرتی اور اخلاقی کمزوریوں کو بے نقاب کر کے زندگی کی تلخیوں کا کامیاب مقابلہ کرنے کے طریقے پیش کئے گئے ہیں، اور بتایا گیا ہے کہ تقلید اور مغربیت زدگی کو چھوڑ کر کس طرح زندگی کو کامیاب بنایا جا سکتا ہے۔ تفکرات اور پریشانیوں کے اسباب پر غور کر کے کس طرح ان کی روک تھام کی جا سکتی ہے۔ متوسط طبقے کے لئے یہ کتاب شمع ہدایت کا کام دے سکتی ہے۔

"رموز خانہ داری" میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے منزلی زندگی کے بہترین طریقے اور گھر کے انتظام کی باتیں بتائی گئی ہیں، بقول بیگم مہدی یار جنگ

"جو لڑکیاں شادی کے بعد کتابوں کے مطالعہ میں اتنی سرگرم رہتی ہیں کہ ان کو امور خانہ داری سے کوئی واسطہ نہیں رہتا، وہ گھر کے انتظام کے قابل نہیں رہتی ہیں پھر ان سے بچوں کی پرورش ہو سکتی ہے اور نہ کبھی

ہونی چاہئے میاں کی خدمت ہو سکتی ہے ایسی لڑکیوں کی زندگی میں ایک طرح کی بے لطفی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ان کا اصلی معنوں میں خوش رہنا بہت مشکل ہے۔" رموز خانہ داری میں، اسی مسئلہ کا حل موجود ہے اور اس علم پر عمل کے طریقے واضح کئے گئے ہیں آخری کتاب علم خانہ داری ڈومسٹک سائنس کے متعلق پہلی اور کامیاب کتاب قرار دی جا سکتی ہے۔

سوتیلی ماں" یہ رابعہ بیگم کے قلم کی رہین منت ہے "ماں" کا لفظ جس طرح بے پایاں محبت و شفقت کا حامل ہوتا ہے اسی طرح ایک لفظ "سوتیلی" کے اضافے سے وہ ظلم و جور کا تصور پیش کر دیتا ہے لیکن "سوتیلی ماں" میں رابعہ بیگم نے بتایا ہے کہ کس طرح سوتیلی ماں بھی ویسی ہی محبت و شفقت کر سکتی ہے۔ ایک جگہ کتنی عمدہ بات لکھی ہے " دنیا میں فسادات کی جڑ حق تلفی ہے۔ اگر سب مستحق ہستیاں ایک دوسرے کے حقوق پر نظر رکھیں تو ناخوشگوار واقعات پیش ہی نہیں آ سکتے۔"

رفتارِ خیال ۔ رفتار خیال میں جہاں بانو بیگم کے مختصر افسانے اور ادب لطیف کے مضامین شامل ہیں۔ افسانوں میں طبع زاد اور ترجمے دونوں ترکے ہیں۔ رفتار خیال کے مختصر افسانے واقعیت نگاری کے لحاظ سے بہت اونچا درجہ رکھتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ وہ افسانے نہیں بلکہ کسی کی آپ بیتی کے ٹکڑے معلوم ہوتے ہیں۔

نسوانی کوششوں میں خدیجہ بیگم کے بچوں کے ڈرامے، نورجہاں گوتم، دسرتھ، شاہجہاں، اور ابو الحسن وغیرہ بھی نظر انداز نہیں

کیے جا سکتے ہیں۔

یہ پانچوں ڈرامے اسٹیج ہو چکے ہیں اور یوں تو ہر ڈرامہ قابل قدر ہے لیکن "ابوالحسن" کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ اس میں ابوالحسن تانا شاہ کی سیرت کو ابتداء سے انتہا تک بچوں کی سمجھ کے مطابق جس حسن و خوبی سے پیش کیا گیا ہے وہ گویا دریا کو کوزے میں بند کرنے کے برابر ہے۔ ان ڈراموں سے بچوں کو نہ صرف اسلاف کے کردار کا صحیح علم ہو سکتا ہے بلکہ مذہبی پہلو کو نمایاں کرنے کی جو کامیاب کوشش کی گئی ہے اس سے چھوٹے بچوں کو مذہب پر مائل کرنے اور مذہب کی اچھی باتوں پر عمل کرنے کی ترغیب بھی ہوتی ہے۔

گل خنداں :- یہ آصف جہاں بیگم کی تصنیف ہے۔ جو اُن کے مزاحیہ مضامین کا مجموعہ ہے۔ اُردو زبان میں اخبار اودھ پنچ میں ۱۸۷۷ء سے مزاحیہ نگاری کا آغاز ہوا، منشی سجاد حسین اور پنڈت رتن ناتھ سرشار وغیرہ اس کے بانی تھے۔ اس کے بعد گزشتہ دس پندرہ سال سے اس میں بڑی ترقی ہوئی ہے، جو مغربی ادب کا اثر ہے۔ صنف قوی کے کئی اصحاب مزاحیہ مضمون اور افسانے لکھا کرتے ہیں۔ جنس نازک میں ایک آدھ خاتون ہی نے اس میدان میں قدم رکھا ہے، مسز حجاب امتیاز علی کے افسانے "تحفے" مزاحیہ نگاری کی پہلی کتاب ہے۔

گل خنداں دوسری تصنیف ہے جو مزاحیہ نگاری پر مشتمل ہے۔ اس کے متعلق مرزا فرحت اللہ بیگ کی حسب ذیل رائے ملاحظہ ہو۔

" ہم سمجھتے تھے کہ مزاحیہ مضمون لکھنا صرف مردوں ہی کا حصہ ہے

لیکن اب معلوم ہوا کہ صنف نازک بھی ہماری حصہ دار بن گئی ہے، بلکہ یوں کہو کہ صنف نازک بننے سے قبل ہی بعض لڑکیوں نے ہمارے مال پر ڈاکہ ڈالنا شروع کر دیا ہے ...... ہم مزاح کے معنی کسی ہنسی کی بات پر ہنسا لیتے ہیں، مگر یہاں ہر فقرہ پر چٹکیاں لی گئی ہیں۔ اور مزاحیہ کے ہر چٹکی پر بجائے رونے کے ہنسی آتی ہے

اس صراحت سے واضح ہو سکتا ہے کہ گل خنداں کس پایہ اور کس صفہ کی تصنیف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آصف جہاں بیگم فطری طور پر مزاحیہ نگاری کرتی ہیں ان کے مضامین کی شوخی، شگفتگی، بے ساختگی خاص طور پر قابل داد ہے۔ آصف جہاں بیگم کے متعلق ایک یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ان کو ادبی میدان میں آئے ہنوز کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہے۔ اگر کہنہ مشق ہوتیں تو نہ معلوم کیا گل کھلاتی۔

جدید ادب نسواں میں جن خواتین کے نام خصوصیت سے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں۔

آصف جہاں بیگم صدیقی بلگرامی، رابعہ بیگم (عثمانیہ) رضیہ بیگم (عثمانیہ) افسر النساء بیگم بی اے (عثمانیہ) تصدق فاطمہ بی اے (عثمانیہ) سیدہ احمد النساء بیگم ثریا جبیں بی اے (عثمانیہ) اشہر بانو نقوی۔ رفیعہ سلطانہ بیگم، حمیدہ مظہر وغیرہ

ان خواتین کے افسانے اور کہانیاں تاریخی اور تنقیدی اور ادبی مقالے مزاحیہ، اصلاحی اور معاشرتی مضامین وغیرہ اس کثرت سے موجود ہیں کہ ان سے کئی ضخیم کتابیں مرتب ہو سکتی ہیں اور سب کے سب "ہمارے جدید ادب نسواں" کے ذخیرہ میں گراں قدر اضافے تصور کئے جا سکتے ہیں۔

بچوں کے لئے جو جدید ادب کی کتابیں خواتین نے مرتب کی ہیں وہ بھی کارآمد اور قابل ستائش ہیں، جہاں بانو بیگم نے "عرب و عربستان" رقیہ سلطانہ نے "حیدرآباد" کے ناموں سے جغرافی اور تاریخی وغیرہ حالات لکھے ہیں، سعیدہ مظہر نے "مرزا غالب" سیدہ جعفری صاحبہ نے "اشوک اعظم" لکھکر اس عنوان میں اضافہ کیا ہے۔

شمالی ہند اور پنجاب میں جو جدید ادب مرتب ہو رہا ہے اس کے متعلق موافق اور مخالف آرا کی کثرت ہے اس کو عریانی کے باعث ناپسند کیا جا رہا ہے" جدید ادب کے علمبرداروں میں ڈاکٹر رشید جہاں اور عصمت چغتائی کا نام بھی پیش پیش ہے لیکن دکن کے جدید ادب کے متعلق یہ شکایت نہیں کی جا سکتی کہ وہ عریاں ہے۔

سطور بالا میں مختصر طور پر ہم نے جدید ادب نسواں کی صراحت کر دی ہے اس سے واضح ہو سکتا ہے کہ جس طرح جنس قوی اقتضادات زمانہ کے تحت جدید ادب تیار کرنے میں مصروف ہیں، جنس نازک بھی اس کوشش میں ان سے پیچھے نہیں ہیں اور ان کے کارنامے ایک تابناک مستقبل کا پتہ دے رہے ہیں۔

⁂

طبقہ نسواں کے ذرائع معیشت

ہندوستان اور دکن میں عام طور سے یہ دستور اور رواج ہے کہ ادنیٰ طبقہ کے سوا متوسط اور اعلیٰ گھرانوں میں عورتوں کا کوئی ذریعہ معیشت نہیں ہوتا۔ اور نہ اس کی ضرورت سمجھی جاتی ہے۔ ہمارے یہاں عام طور سے مرد کماتے ہیں اور عورتیں گھر کا کاروبار چلاتی ہیں۔

لیکن اس موقع پر یہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ضروریات زندگی میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے، کھانے پینے، پہننے اوڑھنے کی چیزیں گراں سے گراں ہوتی جا رہی ہیں۔ اگر ایک طرف اس قسم کی ضروری چیزیں گراں ہو رہی ہیں، دوسری طرف اولاد کی تعلیم کے لئے بہت کچھ خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔ جن کے گھر میں ایک سے زیادہ بچے ہوں تو ان کو اس کا بخوبی علم ہو سکتا ہے کہ کتابوں۔ کاپیوں۔ نوٹ بکس۔ قلم سیاہی وغیرہ کے لئے پہلے کیا خرچ ہوتا تھا اور اب کیا خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ ہی نہیں بلکہ مدرسہ کے چندوں کھیلوں کے ٹکٹوں وغیرہ دوسرے اخراجات بھی ہوتے ہیں۔

ایک طرف اس قسم کے اخراجات زیادہ ہوتے جا رہے ہیں دوسری طرف سینما کا شوق، سیر و تفریح کا مشغلہ فیشن کی تقلید، غرض اخراجات کی مختلف صورتیں ہیں اس طرح ایک کمانے والے کے ساتھ دس کھانے والے اور اخراجات کی فراوانی ایک مصیبت سے کم نہیں ہے۔ اس سے وہ لوگ اچھی طرح واقف ہیں جن پر گذر رہی ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے یہاں بعض گھرانے ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں کوئی مرد کی ذات نہیں ہوتی۔ عورت ہی کو اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے روزی پیدا کرنی ہوتی ہے۔ بہر حال یہ امر خاص طور سے غور طلب ہے کہ اب ہم ٹھنڈے دل سے اس پر غور کریں کہ طبقہ نسواں کے لئے ذرائع معیشت اس وقت کیا کیا ہیں اور ان میں کس طرح اضافہ کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ اطمینان اور چین سے اپنی زندگی بسر کر سکیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ کسی قسم کی بدنمائی نہ ہو۔ ہمارے قدیم روایات قائم رہیں۔ رسم و رواج میں فرق نہ آئے۔ سماج میں انگشت نمائی نہ ہو۔ مشرقی عفت و عصمت شرم و حیا برقرار رہے۔

سماج کے تین درجے ہوتے ہیں۔ ادنیٰ اوسط، اور اعلیٰ۔ ادنیٰ طبقہ ہمیشہ اپنی روزی آپ پیدا کرتا رہا ہے اور ان کے ذرائع معیشت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے

ان کے ذرائع معیشت کے تین اقسام کئے جا سکتے ہیں ایک طبقہ تو وہ ہے جو تجارت وغیرہ کرتا ہے اور دوسرا گروہ وہ ہے جو ہر قسم کی محنت اور مزدوری سے اپنی روزی پیدا کرتا ہے اور تیسری قسم وہ ہے جو ملازمت کے ذریعہ اپنی زندگی بسر کرتا ہے ان کے علاوہ ایک گروہ وہ بھی ہے جو خیرات

سو اپنا ذریعہ معیشت بنا رکھا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ ملازمتوں کے سلسلہ میں غیر مسلم کا ماٹن اور مسلم ماما آسانی سے دستیاب ہو سکتی تھیں اب اگرچہ کا ماٹن اور آیا کے ملنے میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ لیکن ماما کا ملنا دشوار اور مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے اور پھر وہ اپنے اصلی کام یعنی پکوان سے واقف نہیں ہوتی اگر ایک طرف اس طرح ماما کا ملنا دشوار ہے تو دوسری طرف خیرات لینے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور پھر یہ بھی ہو رہا ہے کہ جو پہلے ماماگری کرتی تھیں اب ان کی اولاد مڈل پاس کرکے معلمہ گری کرنے لگی ہیں۔ ایسی عورتوں کے اخلاق جیسے ہو سکتے ہیں وہ پوشیدہ نہیں ہے۔

سگریٹ وغیرہ کے کارخانوں کے باعث اس طبقہ کی ذریعہ معیشت میں اچھا اضافہ ہو گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اگر اس قسم کے کارخانے قائم کئے جائیں تو ساتھ ہی ساتھ ایسے مدرسے قائم ہوں جس میں پکوان وغیرہ کی تعلیم دی جائے تاکہ خیرات لینے والوں کا انسداد ہو جائے اور ماماؤں کے ملنے میں جو دقت ہے وہ دور ہو جائے۔

پکوان کی عملی تعلیم دینے والے مدرسوں کے علاوہ ایسے مدرسوں کی بھی ضرورت ہے جو آیاؤں کو بچوں کی صحت اور ان کی نگہداشت کا طریقہ سکھلائے کیونکہ اعلیٰ طبقہ کے بچوں کی پرورش زیادہ تر آیاؤں کے ذمہ ہو گئی ہے اس لئے ضرورت ہے کہ عام قومی صحت اور تنومندی کی خاطر آیائیں اور انائیں ابتدائی اصول حفظان صحت اور بچوں کے عام رکھ رکھاؤ اور ان کو

کو بحال رکھتے ہوئے عملی طریقوں سے واقف کرائیں جائیں اور ان کی ٹیکنک چلتی
و تبادل گرتجت نہ ہو یہ کام ہمارے متوسط طبقہ کا ہے اور وہ اس تعلیم کے
ذریعہ اپنی آمدنی میں اضافہ کر سکتی ہیں۔

ادنیٰ طبقہ کے لیے اوسط طبقہ سے زیادہ اس کے لئے دشواری اور وقت
ہے اور اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ ان کے ذرائع معیشت میں اضافہ کیا
جائے۔ اور اس کے تدابیر سوچی جائیں۔

موجودہ دور میں اس طبقہ کی زندگی بسر کرنے کا ذریعہ سوا معلمی اور کوئی
نہیں ہے۔ یا بعض "نرس" کے فرائض انجام دیتی ہیں۔ ضرورت ہے انکو وسعت دیجائے
ایک زمانہ تھا کہ معلمہ کی دستیابی میں بڑی دقت ہوتی تھی اگرچہ اب
بھی ایک حد تک باقی ہے۔ لیکن اس میں بہت کچھ اضافہ کی گنجائش ہے
نہ صرف زنانہ مدرسوں میں بلکہ میرے خیال میں بچوں کی ابتدائی یا پرائمری
تعلیم کے لئے عورت ہی زیادہ مفید ہو سکتی ہے۔ چھوٹے بچوں کی نفسیات
سے مرد اس قدر واقف نہیں ہوتے جس قدر عورتیں ہوتی ہیں، اگر اس طرح تمام
ابتدائی مدرسوں میں عورتوں کو مامور کیا جائے تو ان کے لئے ذریعہ معیشت
میں اضافہ ہو سکتا ہے اور چھوٹے بچوں کی تعلیم بھی عمدگی سے ہوا کرے گی۔

دوسرا ذریعہ "نرس" اور دائی کی خدمت ہے۔ ہمارے یہاں زنانہ
دواخانے قائم ہیں جہاں پردہ کا بھی کافی انتظام ہوتا ہے۔ دواخانوں کے
لئے نرسوں کی ضرورت لازمی ہے۔ چونکہ اس خدمت کیلئے بھی اب "ملکی"
کی قید لگا دی ہے اس لئے باہر سے کوئی نرس نہیں آتی۔ اس کی وجہ سے ان

ان کی مانگ زیادہ ہے اسوقت متوسط طبقہ متوجہ نہ ہونے سے ادنیٰ طبقہ کی عورتوں سے اس کام کی اجرائی ہو رہی ہے اس طبقہ سے جیسی توقع ہوسکتی ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔

اس موقع پر ایک نظیر پیش کی جاتی ہے۔ ایک مسلم خاتون جن کا نام میں نہیں لوں گا جن کے والد تحصیلدار تھے ان کے انتقال کے بعد جب عزیزوں نے خبر نہیں لی تو اس خاتون نے زنانہ دواخانہ میں "نرس" کی خدمت کو قبول کیا اور ۲۵ روپیہ پر ملازم ہوئیں۔ محنت اور مستعدی سے کام کرتی رہیں جس کے باعث امتحانوں میں اپنے ساتھی غیر مسلم نرسوں سے ہمیشہ اول آکر ممتاز رہیں۔ درجہ بدرجہ ترقی کرتی ہوئی اسی روپیہ تک پہنچیں اور اس کے بعد رخصت لیکر اور اپنے پس انداز کردہ رقم سے وہ یورپ گئیں اور لندن میں "نرس" کا امتحان دیا۔ انگلستان کی دوسری نرسوں کے مقابل اعلیٰ نمبر سے کامیابی حاصل کی اور وہاں عملی کام میں مصروف تھیں کہ جنگ شروع ہو گئی۔

آپ کو یہ معلوم کر کے اور بھی تعجب ہوگا کہ جب تک وہ حیدرآباد میں رہیں صوم و صلوٰۃ کی سخت پابند تھیں اور لندن میں بھی انھوں نے رمضان کے روزے نہیں چھوڑے۔

اس نظیر سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ نرس کی خدمت انجام دینا کوئی معیوب فعل نہیں ہے۔ اور پھر اپنی بیمار بہنوں کی خدمت کرنا ثواب سے خالی نہیں۔ نرس کی طرح دائی بھی ہے جن کے ملنے میں روز بروز دشواری

ہوتی جارہی ہے [1]

متوسط طبقہ کے ذرائع معیشت میں ایک یہ بھی ہے کہ ایسے مدرسے قائم کئے جائیں جو بچوں دغیرہ کی تعلیم دیں جس کا میں نے قبل ازیں تذکرہ کیا ہے اس طبقہ کے لئے ایک اور ذریعہ "سیون" ہو سکتا ہے۔ ہمارے یہاں عورتوں کے ملبوسات بلوز۔ جمپر۔ بنڈی کوٹ وغیرہ کے سینے کیلئے کوئی عورت نہیں ہے، سینے اور کاٹنے والے سب کے سب مرد ہیں عورتوں کے جسم کا ناپ لینا اور ان کے جسم کی مناسبت اور موزونیت سے لباس تیار کرنا عورت ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ طرفہ تماشہ کہ یورپ خصوصاً انگلستان میں عورتوں کا لباس زیادہ تر عورت ہی تیار کرتی ہے کیا یہ امر ہمارے لئے باعث تعجب نہیں ہے۔ کہ یہاں یہ کام مردوں سے لیا جاتا ہے ضرورت ہے کہ متوسط طبقہ کی عورتیں زنانہ ملبوسات کو قطع کرنے اور سینے کے فن کو حاصل کر کے اس قسم کا کام شروع کریں یہ ایک بہت اچھا اور نفع بخش ذریعہ بن سکتا ہے کیونکہ اب جسم کے ناپ کے لحاظ سے کپڑے پہننے کا شوق ترقی پر ہے [2]۔

سیون کی طرح رنگ سازی اور جلد سازی سے بھی متوسط طبقہ کی عورتیں اپنی روزی پیدا کر سکتی ہیں۔ اور اس سلسلہ میں کاپی نویسی (کتابت) کو بھی شریک کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] [2] خوشی کی بات ہے کہ اب نرسوں میں کئی معزز گھرانے کی لڑکیوں نے شرکت کر لی ہے اور زنانہ کپڑوں کی تیاری کیلئے بھی ایک نسوانی ادارہ قائم ہو گیا ہے۔

متوسط طبقہ کیلئے ایک ذریعہ معیشت دستکاری ہے۔ پلنگ کی چادریں پلیوں کے غلاف۔ میز پوشن وغیرہ کا ہمارے یہاں اچھا خاصہ رواج ہے اور ان کی مانگ ہوتی جا رہی ہے۔ اس کے لئے باہر سے مال آ رہا ہے۔

اس موقع پر بھی ایک خاتون کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے جن کا کوئی وارث نہیں ہے اور اسی دستکاری کے ذریعہ نہ صرف اپنا بلکہ اپنی ضعیف ماں کا سہارا ہے

اسی متوسط طبقہ کے لئے ایک ذریعہ معیشت یہ ہو سکتا ہے کہ ایسی بڑی شاپوں میں عورتیں مامور کی جائیں جو پردہ نشیں عورتوں کو سامان بتائیں اور فروخت کریں مصطفیٰ بازار کے اکثر دکانوں میں پردہ کا انتظام کیا گیا ہے لیکن بیچنے والے سب مرد ہوتے ہیں۔ اگر اس کام کے لئے عورتوں کو مامور کیا جائے تو ظاہر ہے ایک اچھا ذریعہ معیشت مہیا ہو سکتا ہے۔

ہمارے یہاں لیڈی ڈاکٹروں کی بہت کمی ہے۔ ان کو ہر ہر محلہ میں ہونا چاہئے اس وقت ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے اور انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے اس کمی کے باعث موجودہ لیڈی ڈاکٹر فیس بھی زیادہ لیتی ہیں اور پھر ضرورت کے وقت ان کی دستیابی میں بھی دشواری ہوتی ہے۔

ڈاکٹری کی تعلیم ہمارے یہاں ایک عرصہ سے ہو رہی ہے اسوقت بھی کئی لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں[1] ضرورت ہے کہ متوسط طبقہ کی لڑکیاں اس کی جانب متوجہ ہوں اور طبی تعلیم حاصل کرکے نہ صرف اپنی روزی پیدا کریں

---

[1] بعض کامیاب ہو کر ملازم ہو چکی ہیں۔

بلکہ اپنی بہنوں اور بچیوں کے علاج سے ثواب بھی کمائیں ۔

ان کے علاوہ اور بھی ذرائع ہو سکتے ہیں جن کے باعث متوسط طبقہ فارغ البال ہو سکتا ہے ۔

اس کے بعد مجھے کچھ اعلیٰ طبقہ کی عورتوں کے متعلق بھی کہنا ہے اگرچہ ان کے لئے اس امر کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنی معیشت کے لئے اس قسم کے کام کریں جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے لیکن ان کے علاوہ بھی ذرائع ہیں جن سے وہ ملک کی خدمت کر سکتی ہیں ۔ مثلاً یورپ سے ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا اور اس کے ذریعہ اپنے ملک کی خدمت کرنا ۔

بہرحال اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ ایک کمانے والے کے سر دس کھانے والے رہیں اور تھوڑے پر قناعت کریں کیونکہ اب وہ زمانہ آرہا ہے جب کہ فاقے سے بھی بسر کرنا مشکل ہوگا ۔

ہمارے خاندان کی عورتیں

حیدرآباد اور مدراس میں ہمارے خاندان کے افراد کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے۔ چونکہ ہمارے خاندان میں کئی صدیوں سے خاندان کے باہر شادی نہیں ہوتی۔ اس لئے ایک خاص صورت شکل کے افراد ہوتے ہیں جو اپنے نہج کے باعث کچھ خصوصیت رکھتے ہیں۔

ہمارا خاندان ان عربوں سے تعلق رکھتا ہے جو براہ راست حجاز اور عراق سے آکر جنوبی ہند میں متوطن ہوئے تھے انھوں نے ذخار سمندروں کو جہازوں کے ذریعہ پر امن طریقہ سے طے کیا اور سواحل ملیبار اور کورومنڈل پر اتر کر تبلیغ دین اسلام اور تجارت میں مشغول ہوئے زمانہ مابعد میں "نائطی[۱]" کے لقب سے انھوں نے شہرت حاصل کی۔

---

[۱] "نائطی" خاندان نہایت وسیع ہے اسکی کئی شاخیں ہیں جو مختلف لقبوں سے مشہور ہیں مثلاً قریشی بنوی سید عسکری جیدی، طاہر وغیرہ ہمارے عنوان کے لحاظ سے ہم صرف اپنے ایک خاندان (جو شرف الملک کی اولاد سے) کا تذکرہ کرتے ہیں۔

افسوس ہے کہ ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ کس سنہ میں انھوں نے سواحل ہند پر قدم رکھا تھا۔ کتابوں کا ذخیرہ تلف ہو چکا ہے۔ عرب کے مشہور سیاح ابن بطوطہ نے ۷۴۳ھ میں ہمارے خاندان کے بعض افراد[۱] سے ملاقات کی تھی جس کا ذکر اس کے سفرنامے میں موجود ہے۔ بہر حال اس زمانہ سے بہت پہلے ہمارے خاندان کے افراد جنوبی ہند کو آچکے تھے۔

اس موقع پر ہم اپنے خواتین کا تذکرہ مختلف حیثیت سے کرتے ہیں۔ امید ہے کہ موجب دلچسپی ہوگا۔ مخفی نہ رہے کہ حیدرآباد میں اسی سال سے ہمارا قیام ہے

علمی قابلیت :- ہمارے خاندان میں تعلیم نسوان کا رواج قدیم زمانہ سے رہا ہے، نہ صرف ابتدائی اور مذہبی تعلیم ہوتی ہے بلکہ بعضوں نے عربی، فارسی میں خاصی مہارت حاصل کی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اب مدراس میں اس کی جانب کم توجہ ہے۔ اور تعلیم نسوان کا رواج بہت ہی کم ہو گیا ہے
البتہ حیدرآباد میں تعلیم نسوان کا عام رواج ہے پانچ سال سے اوپر سو فیصد خواتین خواندہ ہیں۔

چند سال قبل تک عام طور سے سرکاری مدارس نسوان سے استفادہ نہیں کیا جاتا تھا بلکہ گھر پر والدین وغیرہ سے خانگی طور پر تعلیم ہوتی تھی مگر اب خاندان کی کئی لڑکیاں سرکاری مدارس میں تعلیم پا رہی ہیں لیکن پھر بھی بڑا حصہ ان مدارس سے استفادہ نہیں کرتا بلکہ والدین وغیرہ سے تعلیم حاصل کرتا ہے

---

[۱] ملا علی مہائمی مصنف تفسیر حقانی، اور فقہ مخدومی

اس لئے اعلیٰ تعلیم کا فقدان ہے، البتہ اب بھی چند خواتین ایسی موجود ہیں جنھوں نے عربی اور فارسی کی اعلیٰ تعلیم پائی ہے۔ ان کے بعد ان کی جگہ پر کرنے والی خواتین نظر نہیں آتیں۔

تصنیف و تالیف:- ہماری خواتین نے تصنیف و تالیف کے میدان میں کچھ نہ کچھ ضروری حصہ لیا ہے ایک دو نام اس عنوان کے تحت بتائے جا سکتے ہیں

(۱) گلزار اولیا۔ اس نام سے ایک کتاب میری والدہ نے شائع کی ہے اس میں بزرگان دین کی کرامات مختلف کتابوں سے اردو میں جمع کی گئی ہیں۔

(۲) "ہدایت الناظر" عربی زبان میں ایک مشہور کتاب "منہاج العابدین" ہے۔ اس کا اردو ترجمہ چار جلدوں میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی بڑی بہن نے کیا ہے۔ مگر افسوس اس کی طباعت نہ ہو سکی۔ انھوں نے لطائف اشرفی کا بھی ترجمہ کیا ہے۔

اس کے علاوہ "عزیز المعرفت" "تکملۂ تاریخ محمدی" وغیرہ کی تالیفات بھی ہیں

مضمون نگاری:- موجودہ زمانہ میں اردو مضمون نگاری کا شوق ہمارے خاندان کی عورتوں میں کافی موجود ہے۔ ہندوستان اور دکن کے کئی رسالوں میں ان کے مضامین شائع ہوا کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں کئی نام پیش کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً حفیظہ جمال بیگم جو عصمت کی مشہور مضمون نگار ہیں۔ اسی طرح ذاکرہ بیگم دختر فضل اللہ شہید صاحب نے بھی مضمون نویسی کا اچھا سلیقہ پیدا کر لیا ہے۔ خاندان کی نوعمر لڑکیاں "مشیر نسواں" کے نام سے ماہوار ایک قلمی رسالہ شائع کر رہی ہیں۔ اس میں خاندان کی عورتوں

کے مضامین ہوتے ہیں۔ اس میں بعض اچھے اچھے مضمون بھی ہوتے ہیں۔ جو اگر تازہ رسالوں میں شائع ہو جائیں تو دلچسپی اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جا سکتے ہیں

اسی سلسلہ میں مرحومہ ہمشیرہ ڈاکٹر حمید اللہ کا تذکرہ ضروری ہے جن کے اردو خطوط بیان کی لطافت رنگینی جدت اور دلکشی کے لحاظ سے خاص طور پر قابل لحاظ ہیں مگر افسوس یہ شائع نہیں ہوئے۔

پکوان : مستورات کے لئے جس فن سے واقف ہونے کی بڑی ضرورت ہے وہ "پکوان" ہے۔ افسوس ہے کہ جدید فیشن کی خواتین کے متعلق یہ سنا جاتا ہے کہ وہ اس فن سے بیگانہ ہوتی جاتی ہیں۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں جہاں تک میری معلومات ہیں مدراس کو اس فن میں زیادہ مہارت حاصل ہے۔ خصوصاً میٹھی اشیاء میں مدراس پکوان مشہور ہے مثلاً نوانگلا کا پکوان شہرت رکھتا ہے۔ شیرین اور نمکین دونوں قسم کی بیسیوں چیزیں بنائی جاتی ہیں۔

ہمارے خاندان کی مستورات کو بھی اس فن میں اچھا سلیقہ حاصل ہے عمدہ سے عمدہ مٹھائی نہایت صفائی سے بنائی جاتی ہے۔ اور اسی طرح آچار مربے نمکین چیزیں بھی لیکن واقعہ ہے کہ جو کمال سن رسیدہ خواتین کو حاصل ہے وہ نوجوانوں میں کم ہے۔ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے امور کی بہ نسبت اس فن میں سن رسیدہ خواتین کی جانشینی کی جا سکتی ہے اور توقع ہے کہ نوعمر خواتین بھی اس فن کو اچھی طرح حاصل کر لیں گی۔ جدید یورپی پکوان سے ہماری خواتین واقف نہیں ہیں۔ ان کو کیک اور پیسٹری

بنانا نہیں آتا۔ اور نہ وہ اس سے واقف ہونیکا سامان کرتی ہیں۔

سلائی۔ عورت کے ضروری لوازمات میں تعلیم کے بعد "سلائی" کا درجہ ہے جس عورت کو کپڑے سینے کا سلیقہ نہیں ہوتا اس کی زندگی بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں یا تو ملازمین سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر معمولی معمولی کام کے لئے درزی کی خدمات درکار ہوتی ہیں۔

فن سلائی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یورپ نے جو ترقی اس کام میں کی ہے وہ ظاہر ہے۔ مشرق خصوصاً ہندوستان میں بھی "سلائی" کے مختلف طریقے ہوتے ہیں ہم انکو دو اقسام پر تقسیم کر سکتے ہیں۔

(الف) قدیم سلائی اور

(ب) جدید سلائی۔

قدیم سلائی میں باریک مصالحہ، گوشہ، کناری وغیرہ کا نفیس اور باریک کام شامل ہے۔ جو مشین کے ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے ہاتھ کی صفائی اور آنکھ کی بینائی درکار ہے۔ باریک سے باریک کام کرنا ہوتا ہے۔ اس قسم کا کام اب تقریباً مفقود ہو رہا ہے۔ ہمارے خاندان کی کئی خواتین اس قسم کی سلائی سے واقف ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ جو کام صفائی اور عمدگی سے ہماری مسن خواتین کر سکتی ہیں وہ نوجوان اور نوعمر لڑکیوں کو نہیں آتا۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسن رسیدہ خواتین کی پوری جانشینی اس فن میں نہیں ہو سکے گی۔

جدید سلائی میں ہم ان تمام اشیاء کو لیتے ہیں جن میں مشین کے

ذریعہ کام ہوتا ہے۔ ہمارے خاندان کی کئی عورتیں اچھے سے اچھا سی سکتی ہیں۔ مگر یہ ضرور ہے کہ مردانے لباس خصوصاً شیروانی اور کوٹ جس میں سینے سے زیادہ "کاٹ" کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے یہ واقف نہیں ہیں

دستکاری :- دستکاری کا آج کل بڑا چرچا ہے۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ زمانہ موجودہ کی پیداوار ہے۔ کیونکہ آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے بھی دست کاری کا رواج تھا۔ اون اور ریشم سے سوتی اور ریشمی کپڑوں پہ گل و بوٹے بنائے جاتے تھے اور ان سے مختلف اشیاء بنائی جاتی تھیں، جالی پر کشیدہ کا کام کیا جاتا تھا۔

اس قسم کا کام ہماری بعض سن رسیدہ خواتین کو آتا ہے اور اچھا ملکہ حاصل ہے۔ موجودہ زمانہ میں دستکاری کے اقسام میں بہت کچھ اضافہ ہوگیا ہے۔ مثلاً کارچوب کا کام۔ کامدانی اور ریشم کا کام، شوکیس پھول کا کام، کروشیا، مخملی پھول، تارکشی، ربن کا کام، پوت کا کام، دہنک کا کام، کشیدہ کاری، اون کا کام، کراس اسٹیچ ورکس، کلابتوں کا کام وغیرہ،

ہماری مستورات ان تمام دستکاریوں میں مہارت رکھتی ہیں، مگر ہر ایک کو ان تمام اقسام میں مہارت نہیں ہے۔ بعض تو ان سب میں اور بعض دستکاری کے چند شعبوں میں مہارت رکھتی ہیں۔

گھریلو صنعت کے تحت دیگر امور مثلاً رنگنا، جلد بنانا، بیت بافی وغیرہ چیزیں شامل کی جا سکتی ہیں، رنگسازی سے ہماری خواتین اچھی طرح واقف ہیں اور بعض کو جلد بنانا بیت بافی وغیرہ بھی آتا ہے۔

سلیقہ شعاری:۔ سلیقہ شعاری عورت کا بڑا طرۂ امتیاز اور عمدہ زیور ہے اس میں مہارت حاصل کرنا عورت کا فریضہ زندگی ہے، سلیقہ شعاری میں بہت سی باتیں شامل ہیں، مثلاً مکان کی صفائی، لباس کی صفائی، بچوں کی صفائی، آمد اور خرچ میں توازن شادی اور بیاہ کی تقاریب میں عمدہ انتظام اور اہتمام وغیرہ۔

اس فن میں ہماری نئی نسل کا دور بہ صفر کے قریب ہے۔ کیونکہ پورے خاندان میں دو چار خواتین اس عنوان کے تحت آسکتی ہیں بعض سن رسیدہ خواتین کو جو سلیقہ حاصل ہے اس سے نوجوان عورتوں کو سبق لینا چاہئے۔

طب:۔ زمانہ سابق میں اکثر خواتین بچوں کی گھٹی اور زیوں کے جوشاندہ سے پوری طرح واقف تھیں بلکہ اچھی خاصی طبیب تھیں۔ ہر مرض کے لئے طبیب کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ مگر آج کل اس کی جانب بھی کوئی توجہ نہیں ہے۔ سن رسیدہ خواتین کے بعد کوئی ان کی جگہ پر کرنے والی خاتون نظر نہیں آتی۔

تربیت اطفال:۔ بچوں کی عمدہ تربیت اور پرورش ماں کا سب بڑا فرض ہے تعلیم سے زیادہ تربیت کی ضرورت ہے ہندوستان میں اس فن سے بہت کم استفادہ کیا جاتا ہے اور اس میں بیگانگی کا نتیجہ ہے کہ بچوں کی اموات کثرت سے ہوتی ہیں۔ اس کلیہ سے ہمارا خاندان بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ ماں کو یہ نہیں آتا کہ بچوں کو کیسی تربیت دینی چاہیے اور انکو کس طرح پرورش کرنا چاہئے۔ ضرورت ہے کہ اس سے آگاہی حاصل کی جائے

فنون لطیفہ:۔ عہد حاضر میں فنون لطیفہ کی مہارت عورتوں کے لئے ضروری تسلیم کی گئی ہے۔ فنون لطیفہ میں مختلف امور داخل ہیں مثلاً مصوری، نقاشی، خطاطی، سنگ تراشی، موسیقی اور شاعری۔ ہمارے خاندان کی مستورات اس شعبہ میں بھی "صفر" سے زیادہ نمبر حاصل نہیں کر سکتیں۔ انکو موسیقی میں دخل ہے اور نہ مصوری میں وہ شاعر ہیں نہ نقاش۔ البتہ بعض خواتین کا خط اچھا ہے لیکن فن خطاطی سے واقف ہونا اور اس میں مہارت حاصل ہونا یہ جدا گانہ ہے۔ اس سے واقف نہیں ہیں۔

فیشن پرستی اور سینما بینی وغیرہ:۔ عصر حاضر کی عورتوں وغیرہ کا تذکرہ کیا جائے تو ان کے فیشن اور کھیل تماشوں کے شوق کا ذکر بھی ضروری ہے۔ اس کے بغیر "عورت" کی زندگی کا پورا نقشہ سامنے نہیں آسکتا۔

فیشن پرستی میں مختلف امور شامل ہیں مثلاً جدید وضع کا لباس استعمال کرنا۔ اس میں ہم رنگی کا خیال رکھنا، پوڈر اور لپ اسٹک کا استعمال لبوں کی سرخی، ناخن کی لالی وغیرہ۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہماری خواتین اس قسم کے فیشن سے دور ہیں لیکن جہاں وہ ایسے فیشن سے دور ہیں وہاں واجبی سنگار اور ضروری امور سے بھی بے تعلق ہیں۔ اور یہ ان کا بہت بڑا نقص ہے۔

کھیل تماشوں سینما وغیرہ کا شوق ہمارے خاندان میں نہیں تھا۔ مگر افسوس ہے کہ اس قسم کے جراثیم اب پیدا ہوتے جا رہے ہیں، اس کو بدذوقی نقالی کا نتیجہ کہنا چاہئے۔

سیر و سیاحت :- ہماری عورتوں کو سیر و سیاحت کا بھی شوق ہے۔ اگرچہ چند خواتین کے سوا دیگر خواتین نے بڑی بڑی سیاحتیں نہیں کی ہیں مگر پھر بھی جنوبی ہند میں اکثر و بیشتر انکی سیر و سیاحت ہوا کرتی ہیں۔

لباس و پردہ :- ہماری عورتوں کا لباس عام طور پر حیدرآباد میں تو ساڑی ہے۔ مگر مدراس میں ہنوز قدیم لباس لہنگا، اس وغیرہ مروج ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ پردہ کا بڑا سخت انتظام ہوتا تھا۔ بند گاڑھی پر بھی ایک چادر ڈالی جاتی تھی۔ اگرچہ اب بھی خاصا رواج ہے۔ عام طور سے حیدرآباد میں ملازمین سے پردہ نہیں ہوتا مگر ہمارے خاندان میں ملازمین سے بھی پردہ ہوتا ہے۔ سیر و سیاحت کے موقعہ پر برقعہ سے سفر ہوتا ہے لیکن جدید نسل اس کی زیادہ پابند نہیں ہے۔

مذہبی پابندی :- ہمارے خاندان کی مستورات میں مذہبی پابندی زیادہ ہے۔ وہ صوم و صلوٰۃ کی عادی ہوتی ہیں کئی عورتوں نے حج کا فریضہ بھی ادا کیا ہے۔ اسی طرح بزرگان دین کے قبور اور مزار کی زیارت کا بھی شوق ہے۔ لیکن مزار پرستی یعنی قبور کا طواف کرنا اور قبور کو بوسہ دینا وغیرہ امور سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ صرف فاتحہ پڑھنے پر اکتفا ہوتا ہے۔ شادی بیاہ میں رسوم نہیں ہوتے۔ میت کا غسل اور کفن سب خاندانی عورتیں انجام دیتی ہیں۔ ناواقفیت کے باعث غیروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

رسومات :- ہمارے یہاں شادی بیاہ کے موقع پر رسومات نہیں ہوتے

ایک دن کی شادی ہوتی ہے۔ البتہ ولیمہ ضرور دیا جاتا ہے۔ دوسرے عام بیجا رسومات اور توہمات بھی نہیں ہوتے، شادی بیاہ میں ایک ضابطہ کے تحت عمل ہوتا ہے۔ جس پر سب کاربند ہیں یہ ضابطہ اور دستورالعمل ہمارے یہاں تقریباً ایک سو سال سے رائج ہے "مہر" کی مقدار بھی (۴۰۰) درہم یا (۳۹) تولہ سونا سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔

قومی و پبلک خدمات:۔ قومی اسٹیج اور پبلک کاموں سے ہماری مستورات کو چنداں لگاؤ نہیں تھا۔ وہ عورتوں کی انجمنوں جلسوں میں شریک نہیں ہوتی تھیں۔ انکو اپنے گھر کے سوا باہر کی فکر نہیں تھی۔ مگر اب ایک آدھ خاتون نے اس کی طرف توجہ کی ہے، اس عنوان میں حفیظہ جمال بیگم (مسز برہان الدین حسین) کا نام پیش کیا جاسکتا ہے۔ جنھوں نے پربھنی اورنگ آباد وغیرہ میں نسوانی انجمنوں میں بڑا کام کیا ہے۔ اسی طرح دختر فضل اللہ احمد صاحب سابق مہتمم اردو گشتی کتب خانہ نے خاندان کی ایک انجمن قائم کی ہے۔ جس میں زیادہ تر خاندان کی عورتیں اور کچھ باہر کی دوسری عورتیں بھی شریک ہیں۔ اس انجمن کے جلسے ماہوار ہوا کرتے ہیں جس میں عورتیں مضمون سناتی اور لیکچر دیتی ہیں۔ بہر حال نسوانی ترقی کے لئے یہ انجمن کچھ نہ کچھ کام کر رہی ہے۔ نمایش مصنوعات ملکی میں زنانہ کے دن رضاکارانہ کام کرنیکا شوق ہوگیا ہے

تبصرہ۔ صفحات گذشتہ میں مختصر طور پر ایک خاندان کی عورتوں کی حالت بیان کی گئی ہے جہاں ان میں بعض اچھی باتیں قابل تقلید ہیں وہاں بعض امور

ترک کرنے کے قابل ہیں اس امر کی ضرورت ہے کہ پرورش اولاد تربیّ
اطفال سلیقہ شعاری میں مہارت حاصل کی جائے۔ بیجا رسوم توہما
وغیرہ کا پرہیز مذہبی یا تہذیبی۔ فیشن پرستی سے اجتناب وغیرہ ایسی باتی
ہیں جن سے دوسری عورتوں کو سبق لینا چاہیئے۔ اب مسئلہ خواتی
بہتر ہیں حل ہر خاندان کو پیش ہے۔ سارے مشرق کی عورتوں کے ر
ہندوستان اور حیدرآباد کی خواتین کے نقطہ ہائے فکر و عمل میں بھی
حالات کے تحت آہستہ مگر مستقل تغیر و تنوع پذیر ہے، خیالات ا
عادات کا جدید قالب نشو و نما پا رہا ہے۔ مشرق کی تہذیب رفتہ
لحاظ سے ایک خاتون کے لئے جن اوصاف کی ضرورت تھی و
خواب و خیال ہوتے جا رہے ہیں۔ ان تغیر پذیر حالات کا نظر غائر
مطالعہ بہت ضروری ہے اس حیثیت سے ہر خاندان کے افراد کا
خاندان کی عورتوں کے حالات پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے تاکہ
سے سبق لیا جائے۔